سرپرست:

شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب

جانب منزل رواں دواں
PNSC

اے بی سی (آڈٹ بیورو آف سرکولیشن) کی مصدقہ اشاعت

لہٗ دعوۃ الحق

قرآن و سنت کی تعلیمات کا علمبردار

فون نمبر ڈائرکٹ سسٹم
052317 — 340
341
342

جلد نمبر ۲۲
شمارہ نمبر ۱
محرم الحرام ۱۴۰۷ھ
اکتوبر ۱۹۸۶ء

ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک

مدیر : سمیع الحق

اس شمارے میں

بدل اشتراک

پاکستان میں سالانہ	۴۰/- روپے	بیرون ملک بحری ڈاک	چھ پونڈ
فی پرچہ	چار روپے	بیرون ملک ہوائی ڈاک	دس پونڈ

سمیع الحق استاذ دارالعلوم حقانیہ نے منظور عام پریس پشاور سے چھپوا کر دفتر الحق دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نقشِ آغاز

الحق اپنی حیاتِ مستعار کے اکیس ۲۱ برس پورے کر کے بائیسویں ۲۲ سال میں قدم رکھ رہا ہے۔ فیاضِ ازل نے اپنے خصوصی فضل و کرم اور عنایت و مہربانی سے اُسے جس قدر اور جس جس طرح نوازا، وسائل کی قلت اسباب کے فقدان، پرخطر راستوں اور لغزش و خطا کے سینکڑوں اندیشوں کے باوجود اللہ تعالیٰ نے جسطرح اپنے پیغام کی اشاعت دین کی خدمت صراطِ مستقیم کی ہدایت، توکل و استقامت، نہایت کٹھن صبر آزما مراحل اور مشکل ترین حالات میں بھی حق کی حمایت اور اعلاءِ کلمۃ اللہ کی توفیق ارزانیاں فرمائیں۔ اس پر جتنا بھی شکر ادا کیا جائے کم ہے۔

انتشار و افتراق، بے دینی و الحاد اور امتِ مسلمہ کے اس دورِ انحطاط میں جسطرح شرعی حدود، نظامِ شریعت اور تعلیماتِ نبوت کو بالائے طاق رکھ کر قدیم جاہلی رجحانات، اباحیت و آزادی، قبائلی عصبیت و غرور، قانون شکنی، بے راہ روی اور بے دین زندگی کو پوری اسلامی سوسائٹی پر غالب کر دینے کی کھلی تدبیریں کی جارہی ہیں۔ خدا تعالیٰ نے اپنے بے پناہ الطاف و عنایات کے پیشِ نظر الحق کو نوازا اور یہ توفیق دی کہ اس نے اباحیت و آزادی کے غلط رجحانات کا مقابلہ کیا۔ امت میں ایمانی روح پیدا کرنے، اللہ تعالیٰ کے دین کو اپنانے، اسکی عبادت اور اس کے احکام کی اطاعت کرنے کیطرف دعوت دی۔ دینِ اسلام پر، اس کے اصول و مآخذ پر اور اسکی تعبیرات پر اعتماد کو از سرِ نو استوار کرنے کا پیغام پھیلایا۔ امت کو نئے فتنوں میں پڑنے سے بچانے اور ملت کے بکھرے ہوئے شیرازہ کو مجتمع کرنے کے سلسلہ میں عوام و خواص، علماء و مشائخ اور رہنمایانِ ملت کو توجہ دلائی سلاطین و حکام اور معاشرہ کا عام احتساب کیا۔ شکوک و شبہات کے جوابات دیئے جدید و قدیم اور خلافِ اسلام فتنوں کی سرکوبی کی۔

بعض اوقات حالات کی نامساعدت، فضا کی ناہمواری، ملامتِ احباب اور مخالفتوں کے طوفان کے باوجود الحق نے جس راہ کو حق سمجھا اور کثرتِ موج اور شدتِ طوفان کے ہوتے ہوئے بھی صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ذات پر بھروسہ کرتے ہوئے بغیر کسی خوف لومۃ لائم کے ہر طرح کی بے سر و سامانی اور ناتوانی کے باوجود کشتی سمندر میں ڈال دی جب ظلمات دور ہوئے تو سب نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے کشتی کو سمتِ صحیح میں ساحلِ مراد کے قریب کر دیا

و من یتق اللہ یجعل لہ مخرجا۔

گزشتہ سال ڈیڑھ سال سے جب ہوا کا رخ سیاسی نقطۂ نظر سے اقتدار کی جنگ، مغربی جمہوریت کی بحالی لادینی قوتوں کے ابھارنے اور منافقت کے پاؤں جمانے کی طرف مڑا اور کچھ لوگ خود کو سب کچھ سمجھ کر بھی خس و خاشاک اور بے جان تنکوں کیطرح ہوا کے رخ پر اڑنے لگے۔ الحمد للہ کہ الحق نے گروہی تعصب، جماعتی وابستگی، مفادات و

مقاصد مصلحت و مداہنت، کسی طمع و خوف اور مخالفت کے شور و ہنگامہ سے بے نیاز و بالاتر رہ کر خالص اسلامی طریقہ انقلاب و سیاست کے سنگ میل اور تحریک نظام شریعت کے نشان راہ قائم کئے چونکہ موقف صحیح تھا اس لئے اللہ تعالیٰ نے متحدہ شریعت محاذ کی صورت میں انعام سے نوازا جو قرب منزل کی یقین آفرین علامت ہے ؎

شکست و فتح نصیبوں سے ہے وے اے میر مقابلہ تو دل ناتواں نے خوب کیا

یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم، اسکی مہربانیوں اور توفیق ارزانیوں سے ہوا جو یقیناً حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کی سرپرستی، اکابر علماء و مشائخ کی توجہ و دعا اور قارئین الحق کے مخلصانہ تعاون اور ہمت افزائیوں کا ثمرہ ہے جس کے اجر و ثواب میں سب برابر کے شریک ہیں

۱۹۷۷ء کے مارشل لاء سے لیکر ریفرنڈم، ۱۹۸۵ء کے الیکشن، مسلم لیگ کی حکومت کی تشکیل اور وزارتوں کی بندر بانٹ تک، مارشل لاء کے خاتمے، سیاست دانوں کے اکٹھ، مطالبات، جلسوں جلوسوں، شور و ہنگامہ اور بے نظیر کی آمد سے لیکر ماسکو اور لندن میں ملک کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے کی منصوبہ بندیوں سادہ لوح عوام کے سروں کی سودا بازی اور نظام شریعت کے خلاف شرم انسانیت خواتین سے اسمبلی ہال کے سامنے مظاہرہ کرانے تک، اندرون ملک تشتت و انتشار، علیحدگی پسندانہ رجحانات سے لیکر ملکی سرحدات پر منتقبہ کرنے والے اندیشوں و خطرات تک حرم کے فسادات سے لیکر سندھ و کراچی کے حالیہ غیر یقینی حالات تک غرض جس پہلو سے بھی غور کیا جائے اور روزانہ کے واقعات، حالات و مشاہدات اور قرائن و آثار کو سامنے رکھا جائے تو کون ہے جسے مریض کے جاں بلب ہونے کا یقین نہ ہو۔ سب جانتے ہیں کہ مرض جاں گسل ہے حکیم حاذق ہو یا ادنیٰ سوجھ بوجھ رکھنے والے عام شہری سب کو مرض کی تشخیص بھی ہو چکی ہے۔ علاج کیلئے قوت اور وسائل اور اسباب سب کچھ موجود ہیں۔ مگر نسخہ شفا کے استعمال کرنے کے بجائے محض ورد پر اکتفاء کرنے یا اندر کی جوہری دوا کو تبدیل کر کے محض لیبل قائم رکھنے پر اصرار کیا جا رہا ہے۔ ارباب بصیرت جانتے ہیں کہ یہ مریض کو جان سے مار ڈالنے کے عزائم ہیں جب روح مضمحل ہو کر نکل جاتی ہے تو جسم کو بھی دفن کر دیا جاتا ہے۔ ولا فعلہا اللہ ؎

خدا سے خیر مانگو آشیاں کی نظر بدلی ہوئی ہے آسماں کی

مملکت خداداد پاکستان کا مزاج اس کے بقاء و قیام اور استحکام کی روح صرف اور صرف نظام شریعت کے نفاذ ہی میں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ چالیس سال سے علماء و مشائخ ملک کے جسور و غیور باشندے اور جمہور مسلمان متفقہ طور پر نفاذ شریعت ہی کا مطالبہ کرتے آئے ہیں اور اب جبکہ عمر مملکت کے چالیس سال پورے ہو رہے ہیں علماء کی طرف سے بطور انداز و تنبیہ اور اتمام حجت کے پارلیمنٹ میں نظام شریعت کے مکمل نفاذ کیلئے تراء

پیش کر دیا گیا ہے۔ مگر حیرت ہے کہ اربابِ اقتدار اور لادینی سیاست دان آپس میں ہزاروں اختلافات کے باوجود نظامِ شریعت سے نقطۂ مخالفت پر متحد ہو گئے ہیں۔ وجہ ظاہر ہے کہ نظامِ شریعت کے ذریعہ منافقانہ حکومت اور لادین سیاستدانوں کی بیکیا دلی سیاست ناکام اور بدترین نظام کا استحصال کر کے خالص آسمانی و روحانی اور قرآنی نظام قائم کر دیا جائے گا۔

چونکہ شریعت بل یا نظامِ شریعت کسی فرد یا پارٹی، کسی فرقہ یا جماعت یا محض اقتدار کی تبدیلی کا نام نہیں بلکہ تبدیلیٔ نظام اور مکمل نظام ہے۔ اس لئے شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق مدظلہٗ کی دعوت پر تمام مکاتبِ فکر سے تعلق رکھنے والے مشائخِ عظام، علماءِ کرام، سیاسی زعما اور دانشور حضرات اپنے گروہی و جماعتی وابستگیوں سے بالاتر رہ کر متحدہ شریعت محاذ کے پلیٹ فارم پر جمع ہو گئے اور محاذ کے قیام و تشکیل میں بھرپور حصہ لیا۔ محاذ کے پہلے اجلاس میں حضرت شیخ الحدیث مدظلہٗ کو محاذ کا کنوینر مقرر کیا گیا۔

الحمدللہ کہ شریعت محاذ یومِ تاسیس سے اب تک کی قلیل مدت میں پورے ملک کی ایک عظیم تحریک بن کر اسلامیانِ پاکستان کے دلوں کی دھڑکن بن گیا۔ ۷ جولائی کو اسمبلی ہال کے سامنے عظیم الشان تاریخی مظاہرہ کے علاوہ پورے ملک میں پُرامن جلسوں، جلوسوں اور ہمہ گیر احتجاجی مظاہروں سے فضا ایک بار پھر نظامِ شریعت سے گونج اٹھی، اور اب نتیجۃً ۲۶ اکتوبر کو ملک کے چاروں صوبوں سے جملہ مکاتبِ فکر کے اکابر علماء، مشائخ و رہنما، سیاسی زعماء، دانشور اور وکلاء کا جامعہ نعیمیہ لاہور میں ایک عظیم الشان نمائندہ اجلاس منعقد ہوا۔ شرکائے اجلاس نے متفقہ طور پر حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہٗ کی قیادت پر اعتماد کا اظہار کیا اور شریعت محاذ کی تشکیلِ نو کے موقع پر انہیں شریعت محاذ کا باقاعدہ طور پر صدر منتخب کر لیا گیا۔ اجلاس میں فیصلہ کیا گیا کہ علماء کے پیش کردہ شریعت بل پر تمام مکاتبِ فکر کے اربابِ علم و بصیرت متفق ہیں۔ لہٰذا محاذ کے رہنما و قائدین اور کارکن اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھیں گے۔ جب تک پارلیمنٹ اور سپریم کورٹ سے لیکر ضلع و تحصیل اور تھانہ کی سطح تک عدالتی نظام میں شریعت کو مکمل طور پر نافذ نہیں کر دیا جاتا۔ اور یہ بھی فیصلہ کیا گیا کہ تحریکِ شریعت کا آغاز ۱۸ نومبر کو اسمبلی ہال کے سامنے ملکی سطح پر ایک عظیم الشان جلسہ اور بھرپور مظاہرہ سے کیا جائے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں صوبائی اور ضلعی سطح پر شریعت محاذ کے زیرِ اہتمام کمیٹیاں تشکیل دی جا چکی ہیں۔

جملہ بہی خواہانِ ملت اور تمام اہلِ اسلام کا فرض ہے کہ تحریکِ نفاذِ شریعت کے اس نازک ترین اور اہم موڑ پر خلوص و للہیت، اتحاد و یکجہتی، حمیت و سرفروشی اور ایثار و قربانی کا ثبوت دیں اور ممکن حد تک اپنے وسائل و ذرائع بروئے کار لاکر اس مظاہرہ کو کامیاب بنائیں۔ انشاءاللہ تحریکِ نفاذِ شریعت کی پیش رفت کے سلسلہ میں یہ مظاہرہ انقلاب آفرین ثابت ہوگا۔

واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل

سمیع الحق

بیاسہ مجلس شیخ الحدیث

افادات : شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہ
ضبط و ترتیب : مولانا عبدالقیوم حقانی

صحبتے با اہل حق

اہلیت بیعت و اہمیت استغفار

۱۱ ستمبر ۱۹۸۶ء حسب معمول بعد العصر مجلس حضرت شیخ الحدیث مدظلہ میں حاضری کی سعادت حاصل ہوئی۔ مہمانوں کا ہجوم تھا۔ دارالعلوم کے طلبہ بھی حلقہ باندھے عقیدت سے بیٹھے تھے کہ شوکت علی صاحب نے عرض کی حضرت! میں نے خواب دیکھا ہے اور خواب میں مجھے دارالعلوم کے ایک استاذ بار بار آپ سے بیعت ہونے کی تاکید فرماتے ہیں۔ اور خود میرا قلبی تقاضا بھی یہی ہے اور اب تو خواب میں استاذ کا حکم بھی ہے امتثال امر بھی ضروری ہے لہٰذا میری درخواست ہے کہ آپ مجھے اپنے حلقۂ ارادت میں داخل فرماویں اور اپنی بیعت میں لے لیں۔

حضرت شیخ الحدیث مدظلہ پوری توجہ سے ان کی بات سنتے رہے جب موصوف نے اپنی معروضات ختم کیں تو حضرت شیخ الحدیث مدظلہ نے ارشاد فرمایا۔

عزیز! آپ کے جذبات اور ارادہ خوب ہے۔ اللہ قبول فرمائے۔ مگر بیعت تو ایسے شخص سے کرنی چاہئے جو اس کا اہل بھی ہو۔ خواب میں آپ نے جو بیعت کا نقشہ دیکھا ہے یہ آپ کا حسن ظن ہے۔ ورنہ حقیقت یہی ہے کہ میں بیعت کا اہل نہیں ہوں۔ بیعت لینے کا اہل وہی ہوتا ہے جس میں عبدیت کے پوری خصوصیات موجود ہوں جو خود عالم اور عامل ہو، متقی اور پرہیزگار ہو، اور اگر بیعت لینے والے میں یہ صفات موجود نہ ہوں پھر تو

اتامرون الناس بالبر وتنسون انفسکم کیا حکم کرتے ہو لوگوں کو نیک کام کا اور بھولتے ہو اپنے آپ کو کا مصداق ٹھہرے گا۔

ارشاد فرمایا۔ میرے متعلق، یہ آپ کا حسن ظن ہے۔ خدا تعالیٰ اسے باقی رکھے، صراط مستقیم پر چلائے اور ہدایت عطا فرمائے آمین

جب اس صاحب نے اصرار کیا تو ارشاد فرمایا ذکر کثرت سے کیا کرو اولاً توبہ کر لو اور استغفار پڑھا کرو۔

جب کپڑے پر روغن چڑھاتے ہیں یا اس کا نقش و نگار کرتے ہیں تو پہلے اسے دھوتے اور خوب مانجھتے ہیں۔ نفس جو ہے وہ برائی کی طرف مائل رہتا ہے۔ اور برائی کا حکم دیتا ہے۔ اولاً اس کی تطہیر اور تزکیہ ضروری ہے تزکیہ میں بڑے برکات ہیں نفس مزکی ہو تو خدا تعالیٰ اہلیت سے نوازتے ہیں۔ اور انوار و برکات کا نزول ہوتا ہے استغفار

سے تطہیر وتزکیۂ باطن ہوتا ہے۔

آپ استغفار کا وظیفہ شروع کر دیں کثرت سے اٹھتے بیٹھتے، کاروبار کرتے، آتے جاتے، جب بھی موقعہ ملے باوضو یا بلاوضو، استغفار پڑھا کریں۔ اللہ کریم اپنی رحمتوں سے نوازے گا۔ اخلاص کی دولت دے گا۔ برکتیں نازل ہوں گی علم ومطالعہ میں برکت ہوگی۔ اور عمل کی توفیق ارزانیاں ہوں گی۔

صدر ضیاء الحق پر اتمام حجت واظہار حق

۸؍ جولائی ۱۹۸۶ء۔ دفتر اہتمام میں حضرت شیخ الحدیث دامت برکاتہم کی ذاتی ڈاک لے کر حاضر خدمت ہوا۔ طبیعت علیل تھی ضعف اور نقاہت کے آثار ظاہر تھے۔ دفعہ کے دریافت کرنے پر فرمایا، الحمد للہ! اب طبیعت میں افاقہ ہے۔ ۷؍ جولائی کو پارلیمنٹ ہاؤس کے سامنے شریعت بل منوانے کے سلسلے میں مظاہرہ ہوا۔ اور پھر جناب صدر ضیاء الحق صاحب کے اچانک اسمبلی کے ہاسٹل میں حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کے کمرے میں جاکر، آپ سے ملاقات کرنے کے متعلق میرے دریافت کرنے پر ارشاد فرمایا۔

الحمد للہ! مظاہرہ کامیاب رہا۔ اب بھی وقت ہے حکومت کی آنکھیں کھل جانی چاہئیں۔ مظاہرہ سے قبل وزیراعظم نے اپنا سیکرٹری بھیجا تھا۔ اور سرکاری گاڑی بھی بھیجدی تھی کہ میں ان سے ملاقات کروں۔ مگر میں نے معذرت کر دی تھی۔ پھر ۸؍ جولائی کو اچانک صدر ضیاء الحق صاحب مجھے اطلاع کئے بغیر ہاسٹل میں میرے کمرے میں آئے۔ اور پون گھنٹہ بیٹھے رہے۔ باتیں ہوتی رہیں مگر میں نے ان پر واضح کر دیا کہ

تمہاری حکومت نے اللہ کی طرف سے دی ہوئی ۹ سال کی طویل مدت ومہلت ضائع کر دی۔ اب بھی موقعہ ہے کہ شریعت بل کو منظور کرالو۔ ورنہ اندیشہ ہے کہ آپ کے لئے اور پوری قوم اور ملک کے لئے اتمام حجت ہو۔ ان کا اصرار تھا کہ حکومت سے مذاکرات کے ذریعہ شریعت بل کے آئینی سقم دور کرنے پر باہمی مشاورت کرنی چاہئے۔ میں نے کہہ دیا کہ شریعت بل میں کوئی سقم نہیں ہے۔ اس کی ہر دفعہ واضح اور صاف ہے جرأت کی ضرورت ہے ایمانی جذبہ چاہئے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر اکرام امت اور وفور شفقت کا تصور غالب رہتا تھا۔

حقائق السنن کے مسودات حسب معمول بعد العصر، حضرت شیخ الحدیث مدظلہ نے سنے۔ اصل میں نمازیں پچاس تھیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی توجہ دلانے پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی باربار درخواست سے پانچ ہوگئیں۔

جب یہ بحث چھڑی تو حضرت شیخ الحدیث مدظلہ العالی نے ارشاد فرمایا۔ کہ بظاہر یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے اور کج فہموں کو یہ شبہ ہوا بھی ہے کہ امت کے تعب اور مشقت میں پڑنے کا خیال تو سب سے پہلے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو ہونا چاہئے تھا۔ مگر آپ نے تو امت کے لئے پچاس نمازوں کو قبول فرمالیا۔ پھر بعد میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی توجہ دلانے پر آپ کو امت کی تکلیف کا خیال آیا، مگر یہ ایک سطحی اشکال اور معمولی سا

مشتبہ ہے۔ اصل واقعہ یعنی نماز کی حقیقت، قربِ خداوندی، تقرب الی اللہ کی اہمیت و ضرورت، اور ۵۰ نمازیں گویا پہنچا کر جب بارگاہ رب العالمین میں باریابی کے شرف کا حصول، اس کے ساتھ ساتھ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی امت پر شفقت اور امت کے لئے اعزاز و اکرام اور رحمت و مغفرت کا حرص و طلب سامنے ہو تو پھر یہ کہا جا سکتا ہے کہ آنحضرت ﷺ پر تکلیف و مشقت اور تعب امت کے بجائے اکرام امت کا تصور غالب تھا۔ دور شفقت اور زیادہ شوق میں امت کی تکلیف اور مشقت میں پڑنے کی طرف آپ کا خیال نہ گیا۔

علاوہ ازیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بنی اسرائیل کا تجربہ ہو چکا تھا جب کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے یہ ایک نئی بات تھی اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب بارگاہ ربوبیت میں حاضر ہوئے تو عظمت و جلال اور حسن و جمال کے جلووں میں ایسے مستغرق ہوئے کہ دوسری طرف دھیان بھی نہ دے سکے۔ چونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس وقت استغراق کا یہ مقام حاصل نہ تھا اس لئے وہ بار بار آپ ﷺ کو تخفیف صلوٰۃ کی درخواست کرنے پر توجہ دلاتے رہے۔

شامت اعمال ما صورت نادر گرفت

۲۹ اکتوبر، بعد العصر کی مجلس میں آج قدرے دیر سے پہنچا حضرت شیخ الحدیث دامت برکاتہم ملکی حالات، تخریب و فساد اور بے دینی و الحاد پر کچھ ارشاد فرما رہے تھے۔

ارشاد فرمایا، پرسوں جب لاہور میں دن دہاڑے وسط بازار میں ایک شخص کو گولی مار کر اس سے رقم چھین لی گئی۔ اور قاتل فرار ہو گئے۔ کل پشاور میں بم پھٹا، چھ آدمی وفات پا گئے۔ اور ۱۲ زخمی ہیں۔ فرمایا! فسادات ہیں کوئی امن نہیں، مسجد جاتے ہوئے یہ اطمینان نہیں ہے کہ گھر سلامتی سے پہنچا جائے گا۔ بدامنی کا دور دورہ ہے۔ یہ سب قیامت کے علامات ہیں۔ شیاطین اور اشرار کی کثرت اور ان کا غلبہ ہے۔ یہ سب، ہمارے اعمال بد، خدا فراموشی اور گناہوں کا ثمرہ ہے۔ ع

شامت اعمال ما صورت نادر گرفت

ارشاد فرمایا، اللہ کے ہاں گڑگڑا کر توبہ کرنی چاہئے اور معوذتین کا پڑھنا کثرت سے اختیار کیا جائے۔ بلکہ ہر نماز کے بعد معمول بنا لینا چاہئے۔

اشرار و شیاطین سے حفاظت کے اوراد

اسی مجلس میں نے آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا۔ کہ قرآن اور حدیث میں اشرار سے حفاظت شیاطین سے تحفظ اور بچاؤ کے اوراد کثرت سے آئے ہیں۔ سب سے بڑا وظیفہ خدا پر اعتماد، دعا و التجا ہے۔

ارشاد فرمایا، صبح سویرے نماز کے بعد بلکہ ہر نماز کے بعد کم از کم ایک مرتبہ

۱- بِسْمِ اللّٰهِ الَّذِي لَا يَضُرُّ مَعَ اسْمِهِ شَيْءٌ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۝

باقی ص ۲۴ پر

حکومت پاکستان دفتر چیف کنٹرولر آف امپورٹس اینڈ ایکسپورٹس (ایکسپورٹ ٹریڈ کنٹرول)

اسلام آباد - ۱۵ - اکتوبر ۱۹۸۶ء

پبلک نوٹس

عنوان:- **گندم کے بھوسا کی برآمد**

نمبر ۱(۸۶)/ایکسپورٹ - ۱- گندم کے بھوسا کی برآمد کے لئے ایسے برآمد کنندگان سے درخواستیں مطلوب ہیں جو درخواست دینے کے دن سال ۱۹۸۶ء کے لئے باقاعدہ تجدید شدہ زیر عمل ایکسپورٹ رجسٹریشن کے حامل ہوں۔ درخواستیں دوسری چیزوں کے علاوہ درج ذیل کوائف کی حامل ہوں گی۔

۱- ایکسپورٹ رجسٹریشن سرٹیفکیٹ (تصدیق شدہ یا عکسی نقل منسلک کی جائے)

۲- برآمد کی جانے والی گندم کے بھوسا کی مقدار

۳- ملک یا ممالک جن کو گندم کا بھوسا برآمد کیا جاتا ہے۔

۴- کنٹریکٹڈ - ایف او بی پرائس فی ٹن اور

۵- منسلک کئے جانے والے پے آرڈر کا نمبر اور تاریخ

۲- درخواستوں کے ہمراہ برآمد کے لئے درخواست کردہ مجموعی مالیت کے ۶ فیصد کے مساوی بنک پے آرڈر منسلک کرنا ضروری ہے۔ زیادہ ایف او بی پرائس فی ٹن پیش کرنیوالے درخواست دہندگان کو تخصیص کے مقصد کے لئے ترجیح دی جاسکتی ہے۔ اگر درخواستوں کی اویلوایشن کے بعد کسی درخواست دہندہ کو ایکسپورٹ کوٹہ تخصیص نہیں کیا جاتا، پے آرڈر واپس کر دیا جائے گا۔ اگر تخصیص کردہ مقدار درخواست کردہ مقدار سے کم ہوئی تو صرف تخصیص کی گئی مقدار کے تناسب سے رقم روک لی جائے گی۔

۳- اگر تخصیص کردہ مقدار کلی یا اس کا کوئی حصہ ۳۰ نومبر ۱۹۸۶ء سے قبل (کوئی توسیع نہیں کی جائے گی) برآمد نہ کیا گیا تو سیکورٹی ڈیپازٹ برآمد نہ کی جانے والی مقدار کے تناسب سے بطور ہرجانہ ضبط کر لیا جائے گا۔

۴- کم از کم ایکسپورٹ پرائس -/۱۲۵۰ روپے فی ٹن ہے اور ایکسپورٹ ڈیوٹی -/۳۰۰ روپے فی ٹن۔

۵- درخواستیں سر بمہر لفافوں میں جن کے اوپر "گندم کے بھوسا کی برآمد" درج ہو متعلقہ کنٹرولر کوئٹہ/کراچی/لاہور/اسلام آباد اور پشاور کو (نام پر) زیادہ سے زیادہ ۳۰ اکتوبر ۸۶ء تک دفتری اوقات کے دوران پہنچ جانی چاہئیں۔

۶- کوئی درخواست جو متعلقہ دفتر میں ۳۰ اکتوبر ۸۶ء کے بعد یا مقررہ رقم کے لئے پے آرڈر کے بغیر ایف او بی پرائس -/۱۲۵۰ روپے فی ٹن سے کم کی پیشکش قابل قبول نہ ہوں گی۔

ایم جلال الدین خان

ڈپٹی کنٹرولر برائے چیف کنٹرولر آف امپورٹس اینڈ ایکسپورٹس

P.I.D (I) 1830/12

حافظ محمد ابراہیم صاحب فانی

جہادِ افغانستان اور حقانی شہداء

مولانا میراجان شہید

مولانا میراجان شہید بھی ان خوش نصیب افراد میں سے ہیں جن کو خداوند قدوس نے اپنی آغوش رحمت میں لے کر خصوصی اعزاز و اکرام یعنی خلعتِ شہادت سے نوازا۔ آپ نے فنون کی اکثر کتابوں کی تکمیل یہاں، مادر علمی دارالعلوم حقانیہ میں کی۔ اور سندِ فراغت بھی یہاں سے حاصل کی۔ آپ نہایت ہی ذہین و فطین اور زہد و تقویٰ جیسے اخلاق و صفاتِ حمیدہ کے مالک تھے۔ دورانِ تعلیم آپ کی تمام تر توجہ اسباق و مطالعہ اور تکرار کتب پر مرکوز رہتی۔ نہایت ہی کم گو اور باوقار کثرت مطالعہ اور تکرار کے باعث آپ پر ایک وقت ایسا بھی آیا کہ آپ کے دماغ میں خلل پیدا ہوا لیکن پھر خداوند کریم کی خصوصی عنایت سے آپ جلد ہی شفایاب ہو گئے۔

مولانا میراجان شہید ولد محمد عزیز ضلع لغمان تحصیل علی نگار موضع سنگر میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی دینی تعلیم اپنے ہی گاؤں میں حاصل کی۔ اس کے بعد اعلیٰ تعلیم کے لئے پاکستان دارالعلوم حقانیہ تشریف لائے۔

فراغت کے بعد آپ نے تین سال تک مختلف مدارس میں تدریس کی۔ لیکن ساتھ ساتھ جہاد کے لئے بھی ایام تعطیل میں محاذِ جنگ پر تشریف لے جاتے تھے۔ تحصیل صوابی کے برکی مہاجر کیمپ میں آپ نے ایک مدرسے کی بنیاد رکھی۔ جس میں آپ صدارت تدریس کے عہدہ پر فائز تھے۔ اور مجاہدین کی تنظیم میں بھی بڑھ کر حصہ لیتے تھے آپ کی شرافت طبع اور اخلاق کے باعث مجاہدین آپ پر بہت ہی اعتماد کرتے تھے۔ اور آپ کے ہر حکم کی تعمیل نہایت ہی خندہ پیشانی سے کرتے۔

آپ کی ان مجاہدانہ سرگرمیوں نے روسی و کارمل گماشتوں کی نیندیں حرام کر دیں اور وہ ہر وقت اس کی موت اور قتل کے درپے رہتے۔ چنانچہ ۵ محرم الحرام ۱۴۰۶ھ کو آپ واپس پاکستان تشریف لارہے تھے کہ سی آئی ڈی نے آپ کے خلاف کارمل حکومت کو اطلاع دی۔ جس کے نتیجے میں روسی اور کارمل فوجوں نے آپ پر نماز فجر کے بعد

ضلع کنٹر علاقہ شگہ میں چاروں طرف سے ہوائی اور زمینی حملہ کر دیا۔ آپ اس وقت اکیلے تھے۔ پھر بھی آپ نے بے جگری سے مقابلہ کیا۔ دو افسروں اور کئی فوجیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ بالآخر آپ دشمن کے محاصرہ میں آ گئے اور وہ انہیں زندہ گرفتار کر کے لے گئے۔ ان لوگوں نے آپ کو تسلیم کرنے کی از حد کوشش کی۔ لیکن آپ نے ان کے سامنے سر خم کرنے سے انکار کیا۔ بلکہ ان کے سامنے نعرہ ہائے تکبیر بلند کیا۔ اور کلمہ شہادت پڑھا۔ پھر ان لوگوں نے آپ پر بندوق سے نشانے بنانے شروع کئے۔ آپ نے انہیں کہا کہ میرے منہ اور چہرے پر نہ مارو باقی جہاں چاہو مارو۔ اور اسی کے ساتھ آپ نے انگشت شہادت سے اشارہ کیا اور کلمہ شہادت پڑھا۔

شہادت سے تقریباً ایک ماہ قبل آپ یہاں دارالعلوم حقانیہ تشریف لائے تھے۔ بندہ نے آپ سے اپنی سرگرمیوں کے بارے میں پوچھا۔ تو فرمایا کہ فی الحال تو درس میں مشغول ہوں اور یہاں صوابی کیمپ میں میں نے ایک مدرسے کی بنیاد رکھی ہے۔ مجھے ایک کتاب کی ضرورت ہے اگر وہ کتاب یہاں کسی کتب خانہ سے دستیاب ہوئی۔ "تمہید"۔ میں نے کہا کونسی تمہید۔ کیونکہ ایک تمہید تو مولانا عبیداللہ سندھی کی بھی ہے التمہید۔ تو انہوں نے کہا۔ نہیں۔ تمہید ابی شکور سالمی۔ پھر آپ تشریف لے گئے۔ کسے خبر تھی کہ یہ ملاقات آخری ثابت ہو گی ۔

نہ ہر کہ چہرہ برافروخت دلبری داند	نہ ہر کہ آئینہ دارد سکندری داند
ہزار نکتہ باریک تر ز مو ایں جاست	نہ ہر کہ سر بتراشد قلندری داند

بقول اقبال ؒ ۔

یہ شہادت گہ الفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آساں سمجھتے ہیں مسلماں ہونا

امام ابو حنیفہؒ اور بارگاہِ نبوت کی بشارتیں

امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ علوم قرآن وحدیث اور فقہ میں یگانۂ عصر اور پیشوائے امت تھے۔ ان کے حالات اور اجتہادی کارنامے دوست تو کیا دشمنوں سے بھی خراجِ تحسین وصول کر چکے ہیں۔ اس لئے ان کی شخصیت پر کچھ لکھنا خود لکھنے والے کے لئے سعادت ہے۔

مجھے یہ معلوم کر کے بڑی مسرت ہوئی کہ دارالعلوم حقانیہ کے فاضل و مدرس اور موقر ماہنامہ "الحق" کے معاون مدیر مولانا عبدالقیوم حقانی نے تقاضائے وقت کو محسوس کرتے ہوئے "دفاع امام ابو حنیفہ" کے نام سے ایک قدر کتاب تصنیف کی جو تیرہ ابواب پر مشتمل ہے جن میں تقریباً ان تمام مسائل پر بحث کی گئی ہے جو حضرت اعظم کی عظیم شخصیت، حالات وسوانح اور ان کے علمی کمالات واجتہادات سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس کے علاوہ اہم موضوع کو انہوں نے چھیڑا ہے وہ امام اعظم پر مبغضین کے بے جا اور بے سروپا الزامات واعتراضات کا جواب دفاع ہے۔ اور حق یہ ہے کہ انہوں نے اس موضوع پر لکھنے کا حق ادا کر دیا ہے۔ اور ادارہ موتمر المصنفین دارالعلوم نے اسے شائع کر کے سوادِ اعظم اہلسنت اور امت پر عظیم احسان کیا ہے جس پر میں صدقِ دل سے ادارہ کو ہدیہ تبریک پیش کرتا ہوں۔ دیگر مسائل کے علاوہ کتاب میں ان امور پر بحث کی گئی ہے۔

تحصیل وتکمیلِ علم، اسفارِ حج، درس وافادہ، تلامذہ ومستفیدین، درسگاہ، الزام قلتِ حدیث۔ ...ص ابو حنیفہؒ پر مشتمل اقوال کی حقیقت، وصایا اور نصائح، جلالتِ قدر، روایت، عزم واحتیاط، شجاعت، ...مناظرہ، ذہانت، ابو حنیفہ کا نظریہ سیاست، حنفی تاریخ کے حیرت انگیز واقعات، تقلید کی ضرورت، مذہبی ...کی معرفت، حجیتِ اجماع وقیاس۔ تدوینِ شرائع۔ کتاب الآثار اور جامع المسانید وغیرہ وغیرہ۔

حضرت امام اعظمؒ نے اپنی بے مثال علمی اور اجتہادی صلاحیتوں کی بدولت قرآن وحدیث سے مسائل واحکام مستنبط ... اور یہ ان کی اولیات میں سے ہے کہ انہوں نے سب سے پہلے شرائع کی تدوین کی۔ اور مسائل واحکام کو مختلف ابواب

میں تقسیم کر کے انہیں موزوں ترتیب کے ساتھ جمع کیا۔ مولانا حقانی نے تدوین شرائع کے باب میں اس حقیقت کو خوب ہی مبرہن کیا ہے۔ ان کے دیئے ہوئے حوالوں میں ایک حوالہ یہ ہے:۔

امام جلال الدین سیوطیؒ لکھتے ہیں۔

من مناقب ابی حنیفۃ انہ انفرد فیھا انہ اول من دوّن الشریعۃ ورتّبہ ابوابًا۔
(تبییض الصحیفۃ ص ۳۶)

امام ابو حنیفہؒ کی ان بزرگیوں میں سے جن میں وہ یگانہ ہیں۔ ایک یہ ہے کہ ابو حنیفہؒ پہلے شخص ہیں جنہوں نے شریعت کی ترتیب و تدوین اور تبویب کا کام کیا۔

امام اعظم کے مناقب و فضائل میں جو امر سب سے زیادہ قابل توجہ اور امتیازی حیثیت رکھتا ہے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئیاں ہیں۔ جو ان کے بارے میں کی گئی ہیں۔ اس موضوع کی اہمیت کے پیش نظر راقم الحروف بھی اپنی ایک تحریر قارئین الحق کی خدمت میں پیش کر دینا چاہتا ہے گو اس موضوع پر "دفاع امام ابو حنیفہ" میں مستقل باب قائم کر کے جامع اور تفصیلی بحث کر دی گئی ہے تاہم احقر کی یہ تحریر بھی سلسلہ دفاع امام ابو حنیفہ کی ایک کڑی اور قارئین کی دلچسپی کا ذریعہ بنے گی۔

احادیث صحیحہ اور آثار صریحہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے امام عالی مقام کے تولد سے پیشتر ان کی خبر پیشین گوئی کے طور پر اپنے ارشادات میں سنائی ہیں جن کا اخراج امام بخاری اور امام مسلم نے اپنی صحیحین میں کیا ہے اور حافظ ابو نعیم نے "حلیہ" میں ابو ہریرہ رضؓ سے اور طبرانی نے اپنی "معجم" میں ابن مسعود رضؓ سے اور قیس ابن سعد سے بھی اور شیرازی نے "القاب" میں قیس بن سعد سے ان احادیث کا اخراج کیا ہے۔ پس محدثین میں سے ان احادیث کا اخراج کرنے والے پانچ حضرات ہیں۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرنے والے صحابہ کرام تین بزرگ ہیں۔ اب جاننا چاہیئے کہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ابو ہریرہ رضؓ سے حضور اکرم صؐ کا ارشاد بدیں الفاظ مروی ہے۔

"لوکان الایمان عند الثریّا لذھب بہ رجلٌ من فارس او قال من ابناء فارس حتی یتناولہ"

اگر ایمان ثریّا پر ہوتا تو بھی فارس کا ایک آدمی اسے لے جاتا۔ یا حضورؐ نے یوں فرمایا۔ کہ وہ آدمی اولاد فارس سے ہوگا۔ جو دین کو ثریا سے واپس لے آئے گا۔

حدیث میں "ثریّا" کا لفظ آیا ہے جو پروین کو کہتے ہیں وہ چھوٹے چھوٹے تارے جو گچھے کی مانند معلوم ہوتے ہیں وہ زمین سے بہت دور ہیں۔ جن کے بُعد کا اندازہ اعداد و شمار کے احاطے میں نہیں آسکتا۔ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اگر ایمان روئے زمین پر نہ رہے اور ثریا پر پہنچ جائے تو بھی اس کو فارس کی اولاد میں سے ایک آدمی ثریا سے واپس لے آئے گا۔

صحیحین کی بعض روایتوں میں "لو کان الایمان" کے الفاظ آتے ہیں۔ و بعض میں "لو کان الدین" آیا ہے اور طبرانی نے ابن مسعود رضؓ سے ان الفاظ میں روایت کی ہے:

"لو کان الدین معلقاً بالثریا لتناولہ ناس من ابناء فارس"

اگر دین ثریا پر معلق ہوتا تو بھی اولادِ فارس میں سے کچھ لوگ ثریا پر پہنچ کر اس کو لے لیتے۔

لیکن طبرانی کی روایت میں جو قیس سے مروی ہے یہ الفاظ نا مذکور ہیں۔

"لاتنالہ العرب لنالہ رجال من ابناء فارس"

نہ پائیں گے اس کو اہلِ عرب البتہ چند آدمی جو اولادِ فارس میں سے ہوں گے۔ اس کو پالیں گے۔

مگر حافظ ابو نعیم نے ابوہریرہ رضؓ سے جو روایت کی ہے اس کے الفاظ یہ ہیں۔

"لو کان العلم بالثریا لنالہ رجال من ابناء فارس"

یعنی اگر علم ثریا پر ہوتا تو اولادِ فارس میں سے چند وہاں پہنچ کر اس کو حاصل کر لیتے۔

اور شیرازی کی روایت قیس کے الفاظ میں یوں ہے:

"لو کان العلم معلقاً بالثریا لتنالہ قوم من ابناء فارس"

اگر علم ثریا پر ہوتا۔ تو اس کو اولادِ فارس میں سے ایک قوم پہنچے گی۔

ان آخری دو روایتوں میں ایمان اور دین کی بجائے لفظ علم واقع ہوا ہے۔ اگرچہ بظاہر لفظ ایمان۔ دین اور علم میں اختلاف معلوم ہوتا ہے مگر یہ اختلاف عنوان اور لحاظ کے اعتبار سے ہے۔ معنون اور ملحوظ ایک ہی چیز ہے یعنی حاصل تینوں کا ایک ہے۔

خلاصہ یہ کہ مذکورہ احادیثِ صحیحہ اس امر پر دلالت کر رہی ہیں کہ اگر دین و ایمان اور علم دنیا سے ناپید ہو کر ثریا پر چلے جائیں تو البتہ یہی شخص جو اولادِ فارس میں سے ہوگا اپنی کمال تحقیق سے وہاں پہنچے گا اور ان کو ثریا سے واپس لے آئے گا۔ اور انہیں اطراف و اکنافِ عالم میں منتشر کر دے گا۔ یہ مضمون نہایت مبالغہ کے طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی کی طرز پر "رجل فارس" کے حق میں ارشاد فرمایا گیا ہے۔ اور اس سے اس "مردِ فارس" کی کمال مدح مقصود ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ "مردِ فارس" اپنے دوسرے ہم مشربوں کے مقابلے میں علم و اجتہاد اور استنباطِ مسائل میں ممتاز درجے پر ہوگا۔ اور امام الائمہ ہوگا۔

اب یہ فیصلہ کرنا کہ "مردِ فارس" سے کون شخص مراد ہے۔ پس میں کہتا ہوں کہ امت کا اس پر اجماع ہو چکا ہے کہ حق مذاہبِ اربعہ میں دائر اور منحصر ہے۔ اور قیامت تک مذاہبِ اربعہ پر دینِ حق کا مدار ہے۔ اس لئے ائمہ اربعہ میں سے کسی ایک کی مخالفت دین کی مخالفت ہے۔ اور یہ معلوم ہے کہ ائمہ اربعہ میں سے کوئی بھی سوائے امام اعظم

ابوحنیفہؒ سے "ابناء فارس" میں سے نہیں ہے۔ کیونکہ امام مالک اور امام شافعی بالاتفاق عرب میں سے تھے۔ اور امام احمد بن حنبل "میرو" کے رہنے والے تھے۔ جو خراسان میں واقع ہے۔ اسی طرح طبقہ محدثین خصوصاً ائمہ صحاح ستہ میں سے کوئی اہلِ فارس میں سے نہ تھا۔ چنانچہ امام بخاری بخارا اور امام ترمذی ترمز سے تعلق رکھتے تھے۔ جو دونوں توران میں واقع ہیں۔ اور امام مسلم نیشاپور کے تھے۔ جو خراسان کا شہر ہے۔ اور امام ابوداؤد متوطن سیستان تھے۔ جو سندھ اور ہرات کے درمیان قندھار کے متصل واقع ہے۔ اور امام نسائی شہر نسا کے رہنے والے تھے۔ جو خراسان میں واقع ہے۔ اور امام ابن ماجہ قزوین کے باشندے تھے جو عراق عجم میں واقع ہے۔

ان حقائق اور وجوہ کی بناء پر ائمہ مذاہب اربعہ اور ائمہ حدیث میں سے کوئی بھی امام احادیثِ مذکورہ کا مصداق نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ ان میں سے کوئی صاحب ابناء فارس میں سے نہیں ہے۔ اور امام اعظم ابوحنیفہؒ ہی بوجہ فارسی النسل ہونے کے احادیثِ مذکورہ کا مصداق ہیں۔

اور یہ امر کہ احادیث میں "رجل" واحد کا صیغہ اور "رجال" جمع کا صیغہ استعمال ہوا ہے۔ تو یہ اس اعتبار سے ہے۔ کہ ممدوح متبوع ہونے کی حیثیت سے تنہا ہوگا۔ تاکہ "رجل" کا مصداق بن سکے۔ اور باعتبار اتباع کے رجال کا مصداق ہے۔ کہ اس کے اتباع اور پیروکار اعاظم رجال ہوں گے۔ اور اس کے تلامذہ علم و اجتہاد کے اعتبار سے یگانۂ عصر ہوں گے۔

رہا یہ امر کہ امام اعظم کے فارسی النسل ہونے کا کیا ثبوت ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس کا معتبر ترین ثبوت امام اعظم کے پوتے "اسمٰعیل" کا وہ بیان ہے جس میں انہوں نے اپنے خاندان کو فارسی النسل کہا ہے۔ اور گھر کے آدمی کے بیان کے مقابلے میں دوسروں کے قیل و قال کی کوئی حیثیت اور وقعت نہیں ہے۔ اس بیان کو مشہور و مسلّم مورخ خطیب بغدادی نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے۔ اور علامہ شبلی نعمانی نے اپنی تصنیف "سیرۃ النعمان" میں امام اعظم کے نسب و حالات کے ضمن میں اس کو نقل کیا ہے:

خطیب بغدادی نے امام اعظم کے پوتے اسمٰعیل کی زبانی یہ روایت نقل کی ہے:

"میں بن حماد بن نعمان بن ثابت بن نعمان بن مرزبان ہوں۔ ہم لوگ فارسی النسل ہیں اور کبھی کسی کی غلامی میں نہیں آئے۔" (سیرت النعمان ص ۱۴۳)

امام اعظم کے آباؤ اجداد کے نام فارسی کی طرز پر ہیں۔ چنانچہ مرزبان فارسی لفظ ہے جو رئیس کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے اور ان کے نسب کا سلسلہ شاہ فارس نوشیروان تک پہنچتا ہے۔

اور جو لوگ امام اعظم کا رشتہ کابل سے جوڑتے ہیں وہ غلط ہے کیونکہ امام اعظم فارسی النسل ہیں۔ اور اہلِ کابل فارسی نہیں بولتے۔

میں یہاں یہ وضاحت ضروری سمجھتا ہوں کہ امام اعظم ابوحنیفہ کو مذکورہ احادیث کا مصداق گرداننا صرف میرا استنباط نہیں ہے۔ بلکہ اکابر محدثین اور مجتہدین کی رائے بھی یہی ہے۔ اختصار کی خاطر میں صرف امام جلال الدین سیوطی کی رائے گرامی کو پیش کرتا ہوں۔ جس کو انہوں نے "تبییض الصحیفہ فی مناقب ابی حنیفہ" میں ارشاد فرمایا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں :-

"وبشّر النبی صلی اللہ علیہ وسلّم بالامام ابی حنیفۃ فی حدیث اخرجہ ابو نعیم فی الحلیۃ الخ والشیرازی فی الالقاب الخ واخرج البخاری ومسلم فی صحیحہما حدیث ابی ھریرۃ بلفظ لو کان الدین الحدیث"

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے امام ابوحنیفہ کے حق میں بشارت دی ہے۔ اس حدیث میں جس کا اخراج ابو نعیم نے "حلیہ" میں اور شیرازی نے "القاب" میں کیا ہے۔ اور امام بخاری اور امام مسلم نے اپنی صحیحین میں ابوہریرہؓ سے حدیث "لو کان الدین" کا اخراج کیا ہے۔

امام سیوطی مذکورہ نقل احادیث کے آخر میں فرماتے ہیں :

فھذا اصل صحیح یعتمد علیہ فی البشارۃ والفضیلۃ لابی حنیفۃ

یعنی یہی صحیح اور قابل اعتماد اصل ہے۔ اس خوشخبری اور فضیلت کی جو احادیث میں ابوحنیفہ کے بارے میں بیان کی گئی ہے۔

واضح رہے کہ امام جلال الدین سیوطی محدث کبیر، مصنف تصانیف کثیرہ اور علامہ عصر تھے۔ اور بعض محققین نے ان کو مجددین میں شمار کیا ہے۔ اور اس پر مستزاد یہ کہ وہ حنفی نہیں بلکہ شافعی تھے۔ اس لئے ارباب انصاف خود ہی یہ فیصلہ کریں کہ امام اعظم کو احادیث مذکورہ کا مصداق سمجھنے میں امام سیوطی کی بے لوث اور محققانہ رائے کس قدر قابل اعتنا اور قابل اطمینان ہے۔ اسی طرح دوسرے اکابر محدثین نے بھی کہا ہے کہ "احادیث فارس" سے امام اعظم ابوحنیفہ ہی مراد ہیں۔ لیکن اختصار کی خاطر ان کی آرائے گرامی کا اندراج نہیں کیا گیا۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ احادیث فارس سے حضرت سلمان فارسی صحابی مراد ہونے چاہییں۔ حالانکہ حضرت سلمان فارسی معروف صحابی ہیں۔ اور حدیث میں "رجل فارس" نکرہ کے طور پر استعمال کیا گیا ہے۔ اور حدیث کے سیاق و سباق سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ رجل فارس زمانہ آئندہ میں ہوگا۔ اور حدیث میں "مردِ فارس" کے علمی تفوق کو بیان کیا گیا ہے لہٰذا حدیث فارس سے حضرت سلمانؓ کو مراد لینا قطعی غلط ہے۔

یہاں ایک اور حدیث بھی فضیلت امام اعظم میں پیش کی جاتی ہے جس کو علامہ ابن حجر مکی شافعی نے اپنی تصنیف "الخیرات الحسان" میں لکھا ہے اور کہا ہے کہ یہ جو احادیث امام اعظم کی عظمت و فضیلت پر دلالت

کر رہی ہیں۔ ان میں سے ایک یہ حدیث ہے:

"رفع زینة الدنیا سنة خمسین ومائة"

یعنی دنیا کی زینت و خوبی ایک سو پچاس ہجری میں اٹھا لی جائے گی۔

اس حدیث میں امام اعظم کی وفات کی طرف اشارہ ہے۔ کہ وہ اسی سال فوت ہوئے تھے اور اسی وجہ سے شمس الائمہ کردری نے کہا ہے۔ کہ یہ حدیث خاص طور سے امام ابو حنیفہ پر محمول ہے کیونکہ علماء کبار میں سے کوئی بھی سن مذکورہ میں فوت نہیں ہوا تھا۔

امام اعظم کی جلالت قدر اور عظمت شان اس سے ظاہر ہے۔ کہ ان کی سیرت و تاریخ اور اجتہادی کارناموں پر اتنی کتابیں لکھی گئی ہیں جو کسی اور پر نہیں لکھی گئیں۔ ان مصنفین میں اکثریت ان اکابر محدثین کی ہے جو شافعی مسلک سے تعلق رکھتے ہیں۔ امام اعظم کے سوانح اور ان کے علمی اور اجتہادی کارناموں پر چند لکھنے والوں اور ان کی کتابوں کے نام یہ ہیں:

امام جلال الدین سیوطی شافعی نے امام اعظم پر جو کتاب لکھی ہے اس کا نام "تبییض الصحیفہ فی مناقب ابی حنیفہ" ہے۔

امام طحاوی صاحب معانی الآثار جو حدیث و فقہ کے مشہور امام ہیں پہلے شافعی المذہب تھے پھر حنفیت اختیار کر لی۔ امام اعظم پر ان کی کتاب کا نام "عقود المرجان" ہے۔

حافظ ابن حجر مکی شافعی کی کتاب کا نام "الخیرات الحسان" ہے۔

امام اعظم پر لکھنے والوں میں علامہ جار اللہ زمخشری صاحب کشاف القرآن بھی شامل ہیں۔

حضرت امام اعظم ۸۰ ہجری میں پیدا ہوئے اور صحابی حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو دیکھا تھا اس لحاظ سے ان کو تابعی ہونے کا درجہ حاصل ہے۔ اور یہ فضیلت ائمہ مذاہب اور ائمہ حدیث میں کسی کو حاصل نہیں اور دوسری بڑی فضیلت ان کی یہ ہے کہ امام شافعی اور امام احمد بن حنبل جیسے جبال علم ان کے شاگردوں کے شاگرد ہیں۔ امام اعظم کے شاگرد امام محمد حسن شیبانی امام شافعی کے استاد ہیں۔ اور ان کے شاگرد وکیع بن الجراح امام احمد بن حنبل کے استاد ہیں۔ امام اعظم کے ایک اور نامور تلمیذ حضرت عبداللہ بن مبارک ہیں جن سے امام بخاری اور امام مسلم نے اپنی صحیحین میں سینکڑوں احادیث روایت کی ہیں خود امام شافعی امام اعظم کی فقاہت کے دل و جان سے معترف تھے۔ چنانچہ علامہ ابن حجر مکی شافعی نے اپنی تصنیف "قلائد العقیان" میں امام شافعی کا یہ قول نقل کیا ہے جو انہوں نے امام اعظم کی تحسین و تحمید میں فرمایا تھا۔

"الناس کلھم عیال ابی حنیفة فی الفقه"

سب لوگ فقہ میں ابی حنیفہ کی اولاد ہیں۔

صاحب درمختار اور دوسروں نے امام عبداللہ بن مبارک کے وہ اشعار نقل کئے ہیں جو انہوں نے امام اعظم کی شان میں لکھے ہیں۔ ان میں سے یہاں صرف تین شعر پیش کئے جاتے ہیں :

لقد زان البلاد ومن علیہا ۔۔۔ امام المسلمین ابوحنیفۃ

باحکام وآثار وفقہ ۔۔۔ کآیات الزبور علی الصحیفۃ

فما فی المشرقین لہ نظیر ۔۔۔ ولا فی المغربین ولا بکوفۃ

ترجمہ : امام اعظم نے شہروں اور ان کے باشندوں کو آثار و احکام اور فقہ سے مزین کیا۔ آیات کریمہ کی مانند جن کو دوسرے صحیفوں پر زینت و فضیلت حاصل ہے۔ مشرق و مغرب اور تمام روئے زمین اور خود کوفہ میں انکی نظیر نہیں ہے۔ ایک سروے کے مطابق ائمہ اربعہ کے مقلدین اور پیروکاروں کے اعداد و شمار جمع کئے گئے تو ان کی رو سے امام اعظم کے مقلدین کی تعداد سب سے زیادہ نکلی۔ ان کے بعد امام شافعی اور پھر امام مالک اور ان کے بعد امام احمد بن حنبل سے مقلدین کی تعداد ہے۔

دنیا کے مفکرین اور ماہرین کی رائے میں امام اعظم کی فقہ کو سب پر فوقیت حاصل ہے اور ان کی فقہ اسلامی مملکت کا سرکاری مذہب بننے کی پوری صلاحیت رکھتی ہے۔ بہرحال اس تحریر کی انگیخت کا ذریعہ دفاع امام ابوحنیفہ ہی ہے جس کے مصنف مولانا عبدالقیوم حقانی صاحب قلم ہی نہیں شعلہ بیان مقرر بھی ہیں۔ ان کی شخصیت کو جس چیز نے دلکش بنایا ہے وہ ان کا بے پناہ خلوص اور محبت ہے۔ ہم ان کے اور ادارہ موتمر المصنفین کے ممنون ہیں کہ انہوں نے امام الامت حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ پر " دفاع امام ابوحنیفہ " کے نام سے ایک بلند پایہ کتاب تصنیف کر کے شائع کی۔ اور اسلامی لٹریچر میں ایک بے بہا اضافہ کیا۔ اللہ تعالیٰ ان کی کتاب کو مقبول بنائے اور انہیں مزید توفیق عطا فرمائے کہ وہ آیندہ بھی اپنے جواہر پارے قوم کے سامنے پیش کرتے رہیں ع

ویرحم اللہ عبداً قال آمینا

از مولانا قاضی اطہر مبارکپوری

برصغیر پاک و ہند میں اسلام

فاتح سندھ حضرت محمدؐ بن قاسم ثقفی

حضرت بن قاسم بن حکم بن ابو عقیل ثقفی رحمۃ اللہ علیہ مشہور اموی گورنر حجاج بن یوسف ثقفی کے رشتہ
ں بھائی ہوتے تھے۔ حجاج نے خلیفہ ولید بن عبدالملک کے زمانہ میں ان کو ملک "رے" بھیجا۔ تاکہ وہاں
ی مہم کو سر کریں۔ اور باغیوں کی سرکوبی کر کے امن و امان قائم کریں۔ اس وقت ان کی عمر صرف ستّرہ سال کی
ی۔ پھر ۹۳ ہجری میں وہیں سے سندھ کی طرف جانے کا حکم دیا۔ تاکہ وہاں جا کر راجہ داہر کی بدعہدی و بدامنی
کے خلاف فوجی کارروائی کریں۔ حجاج نے اس عظیم مہم کے لئے ہر قسم کا سامان مہیا کیا۔ حتٰی کہ سوئی دھاگا اور
ئی کو سرکہ میں تر کر کے خشک کرایا تاکہ خشک روئی تر کر کے سرکہ استعمال کریں۔

محمد بن قاسم جمعہ کے دن ۱۰ رمضان ۹۳ھ میں سندھ کے مرکزی شہر دیبل میں پہنچے اور معرکہ عظیم کے بعد
سے فتح کیا۔ خلیفہ ولید بن عبدالملک کے پورے دور میں محمد بن قاسم سندھ میں فتوحات حاصل کرتے رہے جب
سلیمان بن عبدالملک کا زمانہ آیا تو اس نے ان کی جگہ سندھ کے لئے یزید بن ابی کبشہ سکسیکی کو گورنر مقرر کیا۔
ور محمد بن قاسم کو قبائلی رقابت میں گرفتار کیا۔ جس وقت ان کی گرفتاری ہوئی۔ سندھ کے تمام باشندوں جن میں
سلم غیر مسلم سب ہی شامل تھے اس حادثہ پر غم منایا۔ ان کی یادگار کے لئے ان کا مجسمہ بنایا۔ ۹۶ھ میں شہر واسط
کے قید خانہ میں ان کا کام تمام کر دیا گیا۔

علامہ بلاذری نے فتوح البلدان میں سندھ کی فتوحات کے بیان میں اس زمانہ کے ڈاک کے انتظام کے
رے میں لکھتے ہیں۔

وکانت کتب الحجاج ترد علی محمد
وکتب محمدؐ ترد علیہ بصفۃ ما قبلہ
واستطلاع رائہ فیما یعمل بہ فی
کل ثلاثۃ ایام (فتوح البلدان ص ۴۲۲)

حجاج بن یوسف اور محمد بن قاسم کے خطوط
ہر تیسرے دن آتے جاتے تھے۔ جن میں صورت
حال کا بیان اور آیندہ کے لئے مشورہ ہوا کرتا
تھا۔

مسلمانوں کو دنیا کی زمام حکومت سنبھالے ہوئے ابھی سو سال بھی پورے نہ ہوئے تھے اور ڈاک کا یہ انتظام کہ ہر تیسرے دن ملک شام اور ملک سندھ کے درمیان خطوط آتے جاتے تھے۔ بادبانی جہازوں کے ذریعہ ہر تیسرے دن تقریباً دو ہزار میل کی بحری ڈاک پہنچتی تھی۔ دنیا حیرت میں ہے کہ عربوں نے اس قدر جلد کیسے علم و فن پر قبضہ کر لیا۔

ڈریپر لکھتا ہے۔ "ہمیں رہ رہ کر تعجب ہوتا ہے کہ عربوں کا وحشیانہ تعصب کیونکر اس قدر جلد تحصیل علوم فنون کی زبردست خواہش کی شکل میں بدل گیا۔ (معرکہ سائنس و مذہب صہ ۱۶۱)

بات پر بات یاد آتی ہے۔ مارچ ۱۹۸۴ء میں حکومت پاکستان نے چند ہندوستانی اہل علم و تحقیق کو سندھ کے اسلامی کردار پر ایک سیمینار میں دعوت دی تھی اور صدر مملکت جناب محمد ضیاء الحق صاحب نے اس وفد کے لئے سرکاری دورہ کا انتظام کرایا تھا جس میں راقم الحروف خاص طور سے مدعو تھا۔ یہ وفد پاکستان کے تقریباً ہر بڑے شہر اور تاریخی مقامات پر گیا۔ چنانچہ دیبل بھی جانا ہوا۔ کراچی اور ٹھٹھہ کے درمیان شاہراہ عام سے ہٹ کر ایک ناہموار سڑک بھنبھور گئی ہے۔ یہی دیبل شہر تھا جو سمندر کی ایک کھاڑی (خور) پر واقع ہے۔ یہاں پر ہندوستان کا عظیم بت خانہ تھا۔ اور یہ شہر دیول (دیبل) کہا جاتا تھا۔ پورا شہر پکم فصیل سے محفوظ تھا۔ یہاں کے بت خانہ پر جو جھنڈا لہراتا تھا اتنا بڑا تھا کہ اس کا قطر پورا شہر تھا۔ آثار قدیمہ کی طرف سے میلوں تک کھدائی ہوئی ہے جس کے نیچے سے قدیم آثار نکلے ہیں فصیل کی دیوار موجود ہے۔ ساتھ ہی ایک میوزیم ہے جس میں یہاں کے تاریخی آثار محفوظ کئے گئے ہیں۔ وسط شہر میں ایک مسجد کے فرش کی چٹان نکلی ہے جس پر محکمہ آثار قدیمہ کی طرف سے ایک بورڈ آویزاں ہے اس پر لکھا ہے یہ جنوب مشرقی ایشیا کی سب سے قدیم مسجد ہے۔ ہم لوگ ٹھٹھہ سے واپسی پر عصر اور مغرب کے درمیان وہاں پہنچے۔ راقم نے شیروانی بچھا کر اس مسجد کے فرش پر دو رکعت نماز ادا کی۔ اور اپنی آنکھ سے اسلامی ہند کے اس عظیم تاریخی شہر کے کھنڈر دیکھے جس کے بارے میں اپنے قلم سے بہت کچھ لکھا ہے۔ میوزیم سے بعض پتھروں کے کتبے بھی نوٹ کئے۔ اور بہت دیر تک وہاں رہ کر اپنی قدیم تاریخ کے صفحات ذہن میں الٹتے رہے۔ مغرب کی نماز پڑھ کر کراچی واپس ہوئے۔

اسلام میں باقاعدہ تصنیف و تالیف اور ہندوستان لکھنے پڑھنے کا رواج حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں شروع ہو گیا تھا۔ اور کئی صحابہ قرآن کریم کے علاوہ آپ کی احادیث بھی لکھ لیا کرتے تھے جو صحیفوں کی صورت میں ان کے پاس محفوظ تھے۔ مگر باقاعدہ تصنیف و تالیف کا رواج نہ تھا۔ دوسری صدی کے وسط میں باقاعدہ تصنیف و تالیف کا سلسلہ شروع ہوا اور فقہی ترتیب پر احادیث کی کتابیں مرتب و مدون ہونی شروع ہو گئیں۔

چنانچہ مندرجہ ذیل مقامات پر مندرجہ ذیل ائمہ دین نے کتابیں لکھیں

مکہ مکرمہ میں امام ابن جریج متوفی ۱۵۰ھ

یمن میں امام معمر بن راشد متوفی ۱۵۳ھ

بصرہ میں امام سعید بن ابی عروبہ متوفی ۱۵۲ھ اور ربیع بن صبیح بصری متوفی ۱۶۰ھ

مدینہ منورہ میں اسی زمانہ میں امام موسیٰ بن عقبہ متوفی ۱۴۱ھ اور امام محمد بن اسحاق متوفی ۱۵۱ھ نے سیر و مغازی پر کتابیں لکھیں۔

شام میں امام اوزاعی متوفی ۱۵۷ھ

خراسان میں امام عبداللہ بن مبارک متوفی ۱۶۷ھ

کوفہ میں امام سفیان ثوری متوفی ۱۶۱ھ

رے میں امام جریر بن عبدالحمید متوفی ۱۸۸ھ

واسط میں امام ہشیم متوفی ۱۸۳ھ

نیز تقریباً اسی زمانہ میں مدینہ منورہ میں امام مالک متوفی ۱۷۹ھ نے مؤطا تصنیف کی اور وہیں ابو معشر سندھی مدنی متوفی ۱۷۰ھ کتاب المغازی لکھی۔ (تذکرۃ الحفاظ، مقدمہ فتح الباری وغیرہ)

ان ائمہ تصنیف و تالیف میں دو حضرات کا تعلق ہمارے ملک سے ہے۔ امام ابو المعشر عبدالرحمٰن بن نجیح سندھی رحمۃ اللہ علیہ، سندھ کے باشندے تھے۔ ان کا رنگ سیاہ تھا زبان میں عجمی لکنت تھی۔ مدینہ منورہ میں مستقل قیام تھا۔ مہدی آپ کو بغداد لے گیا۔ اور وہیں آپ نے انتقال فرمایا۔ دوسرے بزرگ ربیع بن صبیح بصری رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۶۰ھ میں باربد ضلع بھڑوچ (گجرات) میں جہاد میں شرکت کی اور واپسی پر یہیں ایک مقام پر فوت ہوگئے۔ ان دونوں بزرگوں کے مستقل حالات ہماری کتاب "مآثر و معارف" میں درج ہیں۔

<u>ہندی زبان میں قرآن کا پہلا ترجمہ</u> | بزرگ بن شہریار ناخدا نے اپنی کتاب عجائب الہند میں لکھا ہے کہ دولت ھباریہ منصورہ (سندھ) کے حکمران عبداللہ بن عمر بن عبدالعزیز ہباری کے پاس ۲۷۰ھ میں الورا (اروڑ سندھ) کے راجہ مہروق بن رائق نے لکھا ہے کہ وہ راجہ کو اسلامی شریعت اور احکام ہندی زبان میں شرح و بسط کے ساتھ بیان کرے۔ عبداللہ بن عمر ہباری نے ایک عالم کو بلایا جو منصورہ میں مقیم تھا۔ وہ نہایت ذہین و طباع اور اچھا شاعر تھا۔ یہاں کی مختلف زبانوں سے واقف تھا۔ اس کو راجہ کے پاس بھیجا۔ واپسی پر اس عالم نے بیان کیا کہ راجہ مہروق بن رائق نے مجھ سے ہندی زبان میں قرآن کریم کی تفسیر بیان کرنے کی فرمائش کی۔ اور جب سورہ یٰسین کی اس آیت پر پہنچا قال من یحیی العظام وھی رمیم ۔ قل یحییھا الذی انشاءھا اول

مرّہ ۔ وھو یحلُّ خلق علیہ رہ وہ تخت سے اترا اور رخسار زمین پر رکھ دئے اور روتا رہا ۔ پھر کہا کہ یہی رب معبود اول و قدیم ہے ۔ اس کا نہ کوئی شبیہ ہے ، نہ مثیل ۔ راجہ ایک مخصوص کمرہ میں نماز پڑھتا ہے وہ قلب و زبان سے مسلمان ہوگیا ہے مگر حالات کی نزاکت اور سلطنت کے خیال سے اسلام کا اظہار نہیں کیا ۔

(عجائب الہند صد۳ طبع یورپ)

یہ تیسری صدی کے آخر کا واقعہ ہے ۔ اس زمانہ تک کسی عجمی زبان میں قرآن کریم کا مستقل ترجمہ یا تفسیر کا پتہ نہیں چلتا ۔ البتہ اس دور میں اور اس سے پہلے فارسی زبان میں بعض آیات کے ترجمہ و تفسیر کی یہی نظیر سندھ میں ملتی ہے جو مسلمانان ہند کے دینی و علمی مفاخر میں سے بہت اہم چیز ہے ۔

ہندی علوم و فنون | قدیم زمانہ سے اہل عرب ہندوستان کو علم و دانش کا سرچشمہ سمجھتے تھے ۔ ابتدا میں قدیم عربوں کی تجارتی آمد و رفت کے ذریعہ یہاں کے علوم و فنون کا کچھ حصہ عربوں کو ملا ۔ اسلامی فتوحات کے بعد یہ سلسلہ عام ہوا اور دونوں میں علمی و فنی تبادلہ ہوا ۔ نجوم و حساب اور فلسفہ کی کئی کتابوں کا ترجمہ خلیفہ منصور اور ہارون الرشید کے دور میں ہوا ۔ کچھ پہلوی زبان کے واسطہ سے اور کچھ سنسکرت سے بلا واسطہ کے ۔ ریاضی اور نجوم و فلکیات پر سدھانت کا ترجمہ منصور کے زمانہ میں فزاری نے ہندی اہل علم کی مدد سے عربی میں کیا ۔ یہ ترجمہ ایک مدت تک عرب ماہرین فلکیات کے استعمال میں رہا ۔ محمد بن موسیٰ خوارزمی نے خلیفہ مامون کے حکم سے نجوم کی ایک کتاب کا ترجمہ کیا ۔ اور اس پر اپنے حواشی سے قیمتی اضافہ کیا ۔

ہندی زبان کی پہلی لغت | ملّا کاتب چلپی نے کشف الظنون میں "آداب الفضلاء فی اللغۃ" نام کی ایک کتاب کا پتہ دیا ہے جس کے مصنف شیخ قاضی خاں محمود دہلوی ہیں ۔ جو شیخ قطب الدین مکّی کے اجداد میں سے ہیں ۔ قاضی محمود خاں دہلوی نے ۸۲۳ھ میں انتقال کیا ۔ چلپی نے لکھا ہے کہ آداب الفضلاء فی اللغۃ کی دو قسمیں ہیں ۔ پہلی قسم میں فارسی زبان کے الفاظ کی تفسیر و توضیح پہلے عربی زبان میں کی گئی ہے ۔ پھر ہندی زبان میں اسی کے معانی و مطالب بیان کئے گئے ہیں ۔ (کشف الظنون ج ا صہ ۱۷)

ہمارے علم میں ہندوستان میں ہندی اور عربی کی یہ پہلی لغت کی کتاب ہے ۔ جو فارسی زبان میں لکھی گئی ہے ۔ راقم کے پاس بالکل اسی کی لغت کی ایک قلمی کتاب کا ناقص نسخہ موجود ہے ۔ غالباً گمان ہے کہ یہ "آداب الفضلاء فی اللغۃ" ہے ۔ تحقیق و تلاش کے بعد اس کی مزید معلومات ہو سکتی ہیں ۔

شیخ ابراہیم ہندی یمنی | علامہ شوکانی نے البدر الطالع میں لکھا ہے ۔ کہ شیخ ابراہیم بن صالح ہندی صنعانی نے اپنے زمانہ کے بلا مقابلہ عربی زبان کے سب سے بڑے شاعر تھے ۔ ان کے اشعار کا دیوان ضخیم جلد میں ہے میں نے اس کا مطالعہ کیا ہے اس میں اونچے ، درمیانی اور رادنی درجہ کے اشعار پائے ۔ اور بلند پایہ اشعار زیادہ ملے

شیخ ابراہیم مدح و حماسہ میں مشہور شاعر متبنی کے مانند ہیں۔ ان کے والد ہندوستان کی بنیا قوم کے مزدور تھے۔ جو یمن کے شہر صنعا میں چلے آئے تھے۔ یہاں پر انہوں نے آلِ امام کے کسی فرد کے ہاتھ پر اسلام قبول کر لیا تھا۔ اور بنیا سے مسلمان بن گئے تھے۔ ان کے صاحبزادے ابراہیم کا بچپن علم و ادب میں گذرا۔ ان کے زہد و تقویٰ اور عبادت و ریاضت کا یہ حال تھا کہ جب نماز میں کھڑے ہوتے تو چہرہ زرد ہو جاتا۔ سلاطین آل امام کی مدح سرائی کیا کرتے تھے۔ سلطان مہدی کے دور میں دونوں میں اَن بن ہو گئی۔ ایک مرتبہ شیخ ابراہیم اس کی مجلس میں گئے اس نے کہا کس کی سفارش لے کر آئے ہیں؟ شیخ ابراہیم نے قرآن شریف نکال کر کہا کہ اسی کی سفارش لایا ہوں۔ یہ دیکھ کر مہدی نے کہا کہ آپ کی سفارش منظور ہے۔ لیکن آج کے بعد میں آپ کو نہ دیکھوں۔ یہ اسلام کا فیض تھا کہ ہندوستان کا ایک بنیا زادہ علم و عمل کے اس بلند مقام پر پہنچا کہ شاہی دربار سے متعلق رہا اور شعر و ادب میں عربی زبان کے مشہور عالمی شاعر متبنی کے ہم پایہ مانا گیا۔ اس طرح کتنے ہی ہندی اسلام کی بدولت آسمان علم و فضل پر شمس و قمر بن کر چمکے اور یہاں کے سیاہ خانوں سے نکل کر عالمی وسعتوں میں اپنا مقام پیدا کیا۔

ہندوستان کی پہلی دو مسجدیں یوں تو مسلمانوں کا تعلق ہندوستان سے پہلی ہی سے شروع ہو گیا تھا عربی تاجر یہاں کے ساحلی مقامات سے ہوتے ہوئے مکران، سندھ، مالابار، سراندیپ اور چین تک نکل جاتے تھے اسی طرح یہاں کے تاجر عرب کے دور دراز بازاروں میں پہنچ جاتے تھے۔ پہلی صدی گذرتے گذرتے یہاں مسلمانوں کی آمد و رفت بہت زیادہ ہو گئی۔ اور سراندیپ (سری لنکا) میں تو بہت پہلے سے مسلمان تاجر آباد ہو گئے تھے یہاں سب سے پہلی مسجد ۹۲ھ کے بعد تعمیر ہوئی۔ جب کہ محمد بن قاسم ثقفی نے سندھ کے شہر دیبل کو فتح کیا اور پہلی مسجد بنائی مشہور مورخ ابو الحسن بلاذری نے لکھا ہے

واختط محمد للمسلمین بها، وبنی مسجداً و انزلها اربعة آلاف۔ (فتوح البلدان ۴۳۵)	محمد بن قاسم نے دیبل میں مسلمانوں کے لئے ایک علاقہ تجویز کیا اور مسجد بنائی اور وہاں پر چار ہزار مسلمانوں کو آباد کیا۔

اس کے بعد محمد بن قاسم نے سندھ کے شہر الور (اروڑ) کو فتح کیا جو ایک پہاڑی ٹیلہ پر تھا اور یہاں بھی ایک مسجد تعمیر کی۔

بلاذری نے اس کو یوں بیان کیا ہے۔

ووضع الخراج بالرور، وبنی مسجداً (فتوح البلدان ۴۲۷)	اور الرور فتح کر کے مقامی باشندوں پر خراج لگایا اور ایک مسجد تعمیر کی۔

دیبل اور الرور کی یہ دونوں مسجدیں اس سر زمین پر اسلام کی پہلی مسجدیں تعمیر کیں۔

مارچ ۱۹۸۴ء میں راقم حکومت پاکستان کی دعوت پر وہاں کے تاریخی مقامات اور اسلامی آثار کی زیارت سے مشرف ہوا تھا۔ اسی سلسلہ میں ان دونوں مقامات کی سیر کی اور ان مسجدوں کی زیارت بھی کی۔ دیبل، کراچی اور ٹھٹھہ کے درمیان میں شاہراہ سے مشرقی جانب واقع ہے۔ وہاں پہنچ کر دو رکعت نماز ادا کی۔ جیسا کہ پہلے ہوا۔ اسی سفر میں جمعہ کے دن اروڑ حاضری ہوئی۔ سکھر شہر کے جنوب مشرق میں دریائے سندھ کے پار ایک ٹیلہ پر قدیم مسجد کے نشان ہیں۔ مسجد کی نوعیت ظاہر ہے۔ ایک بڑے مجمع کے ساتھ حاضری ہوئی۔ مسجد کے ٹوٹے پھوٹے حصہ میں شرواتی بچھا کر دو رکعت نماز ادا کی۔ اور حاضرین کے سامنے اس مقام و مسجد کی اسلامی تاریخ پر مختصر سی تقریر کی۔ اسی وقت حکومت پاکستان کی طرف سے یہ اعلان ہوا کہ حکومت چھ لاکھ روپیہ کی امداد اس مسجد کو پیش کر رہی ہے جس سے اس کی جدید تعمیر ہو گی ؛

بقیہ : صحہ

۲۔ اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّةِ كُلِّهَا مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ

۳۔ اور معوذتین پڑھنے کا معمول بنا لینا چاہیئے۔

امام اعظم ابوحنیفہ کا معمول امام اعظم ابوحنیفہؒ کا تو ہر نماز کے بعد دفع شر شیاطین سے حفاظت اور مظالم سے پناہ و نجات کی خاطر یہ آیت پڑھنے کا معمول تھا۔ اور مجھے بھی یہ بے حد پسند ہے اور زندگی بھر اس کو معمول بنا رکھا ہے۔ اِنِّیْ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ رَبِّیْ وَرَبِّكُمْ مَا مِنْ دَآبَّةٍ اِلَّا هُوَ اٰخِذٌۢ بِنَاصِيَتِهَا اِنَّ رَبِّیْ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ مَّاۤ اُرْسِلْتُ بِهٖۤ اِلَيْكُمْ وَيَسْتَخْلِفُ رَبِّیْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوْنَهٗ شَيْئًا اِنَّ رَبِّیْ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ حَفِيْظٌ ۝

آیت کریمہ کے ترجمہ پر غور کیا جائے تو ایمان تازہ ہوتا ہے اور یقین بڑھتا ہے۔ خدا کی ذات پر توکل و بھروسہ ہر دابہ کا ناصیہ، ہر طاقت کی شہ رگ اللہ کے ہاتھ میں ہے شیر ہو، کتا ہو، درندہ ہو، ظالم حکمران ہو جن ہو کوئی طاقت ہو سب اللہ کے قبضہ میں ہیں اس کے سامنے سب بے بس ہیں ان کا پکڑنا کوئی قدرت الہٰی سے بعید نہیں مگر ڈھیل دینا اس کی حکمت و مصلحت ہے۔ آپ اپنا کام کرتے جایئے دنیا کی سب طاقتیں مل کر بھی کوئی ذرہ برابر نقصان بھی نہیں پہنچا سکتیں جب اللہ تعالیٰ آپ کا حامی و ناصر ہو، وہی محافظ وہی ولی اور وہی نگہبان ہے۔

امام اعظم ابوحنیفہؒ اسے صبح و مغرب کی نماز کے بعد پڑھا کرتے تھے۔ آپ سب اس کو پڑھا کریں اللہ کریم اس کی برکتوں سے نظر کرم فرمائے گا ؛

جناب کریم الدین صاحب - جدہ

قرآن حکیم
بائبل
اور
جدید سائنس

ایک جائزہ ایک تبصرہ

تمہید:- زیر تبصرہ کتابچہ مشہور فرانسیسی ڈاکٹر جناب موریس بکائی صاحب کے ایک لیکچر کا اردو ترجمہ ہے جو بات اس میں نیز ڈاکٹر صاحب کی ضخیم کتاب "بائبل، قرآن اور سائنس" (جو انگریزی اور اردو میں بھی دستیاب ہے) میں احقر کو خصوصاً کھٹکی، وہ ان کا یہ خیال ہے کہ مفسرین قرآن سائنس سے ناواقفیت کی بنا پر قرآن مجید کی تکوینی آیات کی صحیح اور شافی تفسیر نہ کر سکے۔ یہ خیال انتہائی غلط اور منجملہ فتن قرب قیامت کے ایک فتنہ ہے جس سے اس لیکچر کے مترجم صاحب سب سے پہلے متاثر ہوئے۔ اور ان کے علاوہ نہ معلوم کتنے مسلمانوں کا ذہن اس کتابچہ نیز کتاب سے بگڑا ہو گا۔ اس لئے بطور تبلیغ اس زہر کا تریاق یعنی تبصرہ ذیل سپرد قلم کیا جا رہا ہے امید ہے کہ قارئین کرام توجہ سے مطالعہ فرمائیں گے۔ اور اپنے اہل تعلق کو بھی اس کے مندرجات پر مطلع ہونے کا موقع دے کر ماجور ہوں گے۔ اس تبصرہ میں ڈاکٹر صاحب یا مترجم صاحب کی باتیں نمبروار بحوالہ صفحہ شروع میں الٹے اور سیدھے واوین کے درمیان لکھ کر ان پر تبصرہ کیا گیا ہے۔

تبصرہ - (۱) "ایک عیسائی ہونے کے باوجود ڈاکٹر بکائی نے قرآن مجید کا معروضی مطالعہ کر کے ایسے حقائق دریافت کئے ہیں جن کی تصدیق جدید سائنس نے کر دی ہے۔ جو علمی پسماندگی اور سائنسی علوم سے ناواقفیت کی بنا پر ہمارے مسلمان مفسرین (قدیم ہوں یا جدید) کی نظروں سے اوجھل رہے"

قدیم مفسرین میں صحابہ کرامؓ اور خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی شامل ہیں جن کے لئے "علمی پسماندگی" کا قائل ہونا بڑی مذموم جسارت اور بدعقیدگی ہے خصوصاً جب کہ علم سے مراد شرعاً علم دین ہی لیا جاتا ہے۔ کیونکہ وہی وراثۃ الانبیاء ہے۔ مولانا روم فرماتے ہیں: ؎

علم نبود جز بعلم عاشقی ــــ مابقی تلبیس ابلیس شقی
علم دیں قرآن و فقہ و حدیث ــــ ہر کہ خواند غیر ازیں گردد خبیث

پھر مشہور حدیث تابیر نخل سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نبوت کے زائد از دس سال بعد بھی، جب کہ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا مِمَّا تُنْبِتُ الْاَرْضُ جیسی آیتیں بھی نازل ہو چکی تھیں۔ علم النباتات کے ایک معمولی سے مسئلہ یعنی نباتات میں جنسیات کے وجود اور "مصنوعی بار آوری" سے بھی ناواقف تھے۔ تاہم اس سے آپؐ کے کار منصبی (دعوۃ و تبلیغ اسلام) میں ذرہ برابر نقص نہیں آتا۔ نیز یہ بھی حقیقت ہے کہ آپ قرآن مجید کی ہر آیت کی صحیح تفسیر پر قادر تھے۔ جیسا کہ ثُمَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ سے ظاہر ہے۔ پس ثابت ہوا کہ قرآن کی کسی بھی آیت کی صحیح اور بقدر ضرورت قابل فہم تفسیر کرنے کے لئے علوم جدیدہ سے واقفیت ضروری نہیں۔

۲۔ "مصنف کے نزدیک بعض ایسے حقائق بھی ہیں جنہیں ابھی تک پوری طرح نہیں سمجھا گیا کیوں کہ انسانی علم خدا تعالیٰ کے علم کے سامنے بہرحال محدود ہے اور شاید آئندہ چل کر نئی خلائی سائنسی تحقیقات کی روشنی میں ان حقائق کو سمجھنا آسان ہو جائے۔"

مصنف نے اکثر قرآنی حقائق (متعلقہ تخلیق کائنات) سمجھ لئے ہیں، اس طور پر کہ ان کے خیال میں سائنس سے ان کی تصدیق ہو جاتی ہے۔ (ان کے خیال سے اس لئے کہا کہ احقر کے نزدیک بعض حقائق کی موجودہ سائنس پر تطبیق نہیں ہوتی۔) اور انہوں نے مان لیا ہے کہ قرآن حضورؐ کا کلام نہیں ہو سکتا۔ ساتھ ہی یہ حقیقت بھی ان پر واضح ہو گئی ہے کہ برخلاف قرآن کے بائبل سائنس کی کسوٹی پر کھری نہیں اترتی۔ اس تحقیق کا، جو انہوں نے غیر معمولی لگن کے ساتھ کی، بڑا مقتضا یہ تھا کہ وہ ایمان لے آتے، مگر اس لیکچر کے وقت تک وہ مشرف بہ اسلام نہیں ہوئے جس سے قرآن پاک کی ان آیتوں کی تفسیر بآسانی سمجھ میں آسکتی ہے۔

وَمَا تَشَاءُونَ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ۔ وَلَوْ أَنَّنَا نَزَّلْنَا إِلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتَىٰ وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قُبُلًا مَا كَانُوا لِيُؤْمِنُوا إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ۔ وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ۔

دراصل ایمان لانے کے اسباب و وجوہ میں بڑا دخل توفیق الٰہی ہی کو ہے۔ اور کچھ ضروری نہیں کہ وہ قرآن کے بیان کردہ ایسے جملہ حقائق کو علوم جدیدہ پر پورے طور سے منطبق کر دینے پر بھی متحقق ہو سکے، البتہ ہمیں ان کو توفیق دے جانے کی دعا کرنا چاہیے۔ (بحمد اللہ ڈاکٹر صاحب مسلمان ہو چکے ہیں جس کا علم احقر کو اس تبصرہ لکھنے

کے بعد ہوا)

۴۔ صفحہ ۵۔ یہ لیکچر قرآن کو سمجھنے کی ایک نئی جہت اور تفسیر کے ایک نئے پہلو سے ہمیں آگاہ کرتا ہے اسے نقطۂ آغاز سمجھ کر آگے بڑھا جا سکتا ہے۔ ایک غیر مسلم سائنسدان پہلی بار قرآن کا مطالعہ کر کے یہ حقائق دریافت کر سکتا ہے تو ہمارے اپنے علماء اور سائنسدان ایسا کیوں نہیں کر سکتے؟

جیسا کہ اوپر عرض کیا جا چکا ہے آیات قرآنی کی صحیح تفسیر اس نئی جہت اور اس نئے پہلو پر منحصر نہیں۔ اس لئے یہ چیز غیر ضروری ہے۔ پھر یہ کام کوئی ایسا شخص نہیں کر سکتا جو محض عالم ہو یا نرا سائنسدان، بلکہ وہی کر سکتا ہے جو عالم ہونے کے ساتھ ساتھ علوم جدیدہ میں بھی اعلیٰ درجہ کی مہارت رکھتا ہو۔ جو بظاہر ممکن نظر نہیں آتا۔ اگر خصوصی کوشش کے نتیجہ میں کوئی ایسا عالم تیار بھی کر لیا جائے تو تفسیر بالرائے کی وعید جو احادیث میں آئی ہے، اسے اس قسم کی تفسیریں کرنے سے مانع ہوگی۔ جیسی ڈاکٹر صاحب نے کی ہے یا تجویز فرمائی ہے (مثلاً ستۃ[۱] ایّام کو چھ ادوار سمجھنا۔ آسمان[۲] سے مراد زمین کے علاوہ عالم بالا یعنی ستاروں، سیاروں اور کہکشانوں کا مجموعہ لینا۔ سات[۳] کے عدد کو جو آسمانوں اور ایک سورۃ میں (مطابق حدیث) زمینوں کے لئے بھی آیا ہے، محض علامت جمع سمجھ کر بہت سے آسمانوں اور زمینوں کے وجود کا قائل ہونا۔ لفظ[۴] مُوسِعُون کا ترجمہ محض سائنسی نظریہ سے مطابقت پیدا کرنے کے لئے بجائے "وسیع القدرت"، "کے پھیلانے والے" کرنا، کیونکہ سائنسی نظریہ کے مطابق کائنات برابر پھیلتی جا رہی ہے آیت[۵] ۳۳ سورہ رحمٰن یا معشر الجن والانس ..... الا بسلطٰن سے خلائی تسخیر کا اشارہ نکالنا۔ آسمان[۶] دنیا سے مراد نظام شمسی لینا۔ ما بینہما[۷] (زمین اور آسمان کے درمیان) سے ایک طرح کے مادے کے پل مراد لینا جو باضابطہ فلکیاتی نظاموں سے باہر ہیں۔ یہ[۸] دعویٰ کرنا کہ قرآن میں کواکب سے مراد سیارے ہے۔ نباتات[۹] میں جنسیات کے وجود کی بنا پر لفظ ازواج سے نر و مادہ کے جوڑے مراد لینا۔ حالاں کہ اس کے معنی متقابل قسموں کے ہیں۔ سائنس[۱۰] کے نظریہ "زندگی کی ابتدا پانی میں ہوئی" کو قرآن کی آیت "ہم نے پانی سے ہر جاندار شئے کو بنایا" کے مترادف سمجھنا وغیرہ وغیرہ) اور اگر بالفرض اس نے تفسیر بالرائے کی وعید کے علی الرغم اس قسم کی آیتوں کی تفسیروں کو ڈاکٹر صاحب کی طرح کھینچ تان کر علوم جدیدہ پر منطبق کر بھی دیا تو ان کو سمجھنے والے کتنے مسلمان مل سکیں گے؟ یقیناً عوام تو اس کو پڑھ کر گمراہ ہی ہوں گے کیونکہ وہ اس کو تو سمجھ نہ سکیں گے۔ اور صحیح اور عام فہم تفسیر ان کے سامنے نہ ہوگی اس لئے یہ بھی ممکن ہے کہ وہ تفسیر پڑھنے ہی سے ہمیشہ کے لئے کنارہ کش ہو جائیں۔ اور طرح طرح کی گمراہیوں اور غلط فہمیوں میں مبتلا رہیں۔ غرض مترجم صاحب کی تجویز نہ قابل عمل ہے نہ مفید۔ بلکہ موجودہ لادینی ماحول میں سخت مضر بھی ثابت ہو سکتی ہے۔ کیونکہ ڈاکٹر صاحب نے ساری کائنات کو جس کی وسعت کا اندازہ بھی نہیں کیا جا سکتا۔ صرف سحابیہ سے بنا ہوا ثابت کر دیا ہے اور یہ نہیں بتایا کہ وہ سحابیہ اتنی مقداروں میں کہاں سے آیا تھا جس سے یہ خطرہ کچھ بعید از امکان نہیں کہ قاری کہیں مادہ کو قدیم نہ سمجھنے لگے۔ پس

سلامتی اسی میں ہے کہ ہمارے علماء اور سائنسدان آیاتِ قرآنی کی تفاسیر کو علوم جدیدہ پر منطبق کرنے کی خطرناک کوشش نہ کریں۔ آگے چل کر احقر اس کوشش کی خرابیاں انشاء اللہ بتائے گا۔

۴۔ صفحہ ۵۔ کیا دوسرے علوم و فنون کی طرح قرآن کو دریافت کرنے کا شرف بھی مغرب کو حاصل ہونے والا ہے؟ "قرآن کو دریافت کرنے" کا مطلب، اگر مترجم صاحب کے نزدیک تکوینی آیات کو علوم جدیدہ کے عین مطابق ثابت کرنا ہی ہے تو یہ کام اہلِ مغرب کو کرنے دیجئے، شاید وہ اس تحقیق سے اسلام کے قریب آ سکیں۔ لیکن مسلمانوں کو ایسا کرنا مناسب نہیں۔ کیونکہ اول تو یہ تطبیق پورے طور سے ممکن نہ ہوگی۔ جیسے حقیقت آسمان، مستقر شمس، پیدائش حیاۃ فی الماء، پیدائش جبال وغیرہ میں قرآنی آیات کا مفہوم متعلقہ سائنسی تفصیلات کی طرف مشیر نہیں۔ اور اگر کھینچ تان کر دونوں میں تطبیق پیدا بھی کر دی گئی تو عوام کے لئے ایسی تفاسیر ناقابلِ فہم ہوں گی۔ اور جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا مضر اور گمراہ کن بھی ہو سکتی ہیں۔ دوسرے ایسا کرنا قطعی بے ضرورت بھی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کو ایسی آیتوں سے علوم جدیدہ کی تعلیم تو مقصود ہے نہیں۔ اور جس مقصد کے لئے ان کا نزول ہوا ہے وہ ان کی معمولی تفاسیر سے (جو ڈاکٹر صاحب کے نزدیک ناکافی اور غلط ہیں) بھی بخوبی حاصل ہے۔ پھر ایک دشوار اور پُرخطر راہ میں قدم رکھنے سے کیا فائدہ؟ اگر یہ کہا جائے کہ سائنسی معلومات سے خدا کی عظمت و قدرت کا زیادہ انکشاف ہو کہ ایمان و یقین میں ترقی ہوتی ہے تو یہ بات نظری طور پر تو درست معلوم ہوتی ہے لیکن عملاً ہم دیکھتے ہیں کہ اکثر سائنسدان خدا کے وجود کے بھی قائل نہیں۔ جس کی وجہ غیر خدا پرستانہ ماحول، جذبہ خدا پرستی سے خالی اساتذہ اور لادینی تعلیمات پر مشتمل کتابیں ہیں۔ بھلا جو طلباء اسکولوں اور کالجوں میں یہ پڑھیں کہ ہمارے بزرگ بندر تھے وہ تخلیق آدم کے قرآنی قصہ پر کیسے ایمان لائیں گے؟ جو یہ سمجھتے ہوں کہ ابھی سورج اربوں سال موجودہ حالت پر باقی رہے گا۔ وہ کیسے قیامت کو قریب سمجھ سکتے ہیں؟ جو لوگ پہاڑوں کو زمین کے بالائی پوست کے ٹھنڈا ہونے پر سکڑنے کے نتیجہ میں بنا ہوا سمجھیں ان کی سمجھ میں یہ بات کیوں کر آئے گی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو خصوصی طور پر زمین کی میخیں بنایا ہے تاکہ وہ ہمیں لے کر ہلنے نہ لگے؟

میرا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ مسلمانوں کو علوم جدیدہ نہ پڑھنے چاہئیں۔ نہیں بلکہ حتی الامکان دیندارانہ ماحول میں خوب پڑھنے چاہئیں لیکن قرآن مجید کی تفاسیر کی تصحیح کے لئے نہیں بلکہ مفید ایجادات کے لئے جس میں افسوس ہے کہ مسلمان دنیا کی متمدن اقوام سے بہت پیچھے ہیں۔ اور اسی وجہ سے دنیا میں کمزور اور ذلیل ہیں۔ حتیٰ کہ جینے کے حق سے بھی محروم کئے جا رہے ہیں۔

۵۔ صفحہ ۶۔ "میرے خیال میں اسلام اور سائنس کے درمیان قرب کی بہترین وضاحت پیغمبرِ اسلام کی مندرجہ ذیل حدیث سے ہوتی ہے۔

"علم حاصل کرو خواہ (اس کے لئے) چین کیوں نہ جانا پڑے"

یہ حدیث گویا انسان کے لئے علم سیکھنے اور اس میں اضافہ کرنے کی صلائے عام ہے۔

علماء محققین مثلاً حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ کے نزدیک " اُطلبوا العلم ولو بالصین " میں علم سے مراد علم دین ہے۔ جو اس زمانہ میں چین میں نہ تھا جب کہ سائنس کسی نہ کسی حد تک تھا۔ لفظ ولو (اگرچہ) فرض کرنے کے مفہوم میں آتا ہے یعنی بالفرض اگر چین میں بھی علم دین ہو تو وہاں سے بھی اسے حاصل کرو۔ حضرت مولانا نے اپنے بعض مواعظ میں اس حدیث پر کافی بحث کر کے یہی مطلب واضح فرمایا ہے۔ اگر حدیث کا وہ مطلب ہوتا جو ڈاکٹر صاحب نے سمجھا ہے یا بعض مسلمان بھی غلطی سے ایسا ہی سمجھتے ہیں تو کم از کم ابتدائے اسلام میں مسلمان ضرور دوسرے ملکوں میں ایسے علوم سیکھنے جایا کرتے مگر تاریخ سے اس کی تصدیق نہیں ہوتی۔ تاہم دنیوی علوم سیکھنے کے لئے سفر کرنا بھی جائز ہے اگرچہ حدیث مذکورہ اس کی مؤید نہیں۔

۶۔ صفحہ ۸۔ " اور قرآنی متن کی بہتر تشریح و تفہیم کے لئے بعض خالص سائنسی م[illegible]ت کو استعمال کیا جاتا ہے۔" ہم دو چند بار ثابت کر چکے ہیں کہ قرآن کی کسی بھی آیت کی صحیح اور عام فہم تفسیر کرنے کے لئے علوم جدیدہ سے واقفیت ضروری نہیں۔ پس ڈاکٹر صاحب کا یہ قول کہ سائنسی معلومات کے ذریعے قرآنی متن (یعنی اس کی تکوینی آیات) کی بہتر تشریح و تفہیم ہوتی ہے صحیح نہیں۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ کسی آیت کی بہتر تشریح وہی کہلائی جا سکتی ہے جس سے اس کے نزول کا مقصد بآسانی پورا ہو سکے۔ جو یقیناً سائنس پڑھانا نہیں ہے۔ بلکہ اظہارِ عظمتِ قدرت کے ذریعہ مخاطبین کو توحید کا قائل بنانا ہے۔ ڈاکٹر صاحب خود بھی اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہیں جیسا کہ ان کے قول "قرآن بنیادی طور پر ایک عظیم اور مقدس مذہبی کتاب ہے۔ اور بذاتِ خود ہم اس سے کسی سائنسی مقصد کی توقع نہیں کر سکتے۔ مثلاً جب انسان کو امر تخلیق اور متعدد طبیعی مظاہر پر غور و فکر کی دعوت دی جاتی ہے۔ تو بظاہر اس دعوت کا مقصد باری تعالیٰ کی قدرت مطلق پر زور دینا ہے۔ (پمفلٹ زیر تبصرہ صد ۱۳) سے ظاہر ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ آیا زمانۂ نزول قرآن میں یا ہمارے اس سائنسی ترقی کے زمانہ میں بھی قرآن کا (مثلاً) سورج کو سراجِ وہّاج اور چاند کو محض نورانی فرمانا اس مقصد کے لئے کافی ہے یا اس کی طویل سائنسی تشریح و تفصیل؟

اول الذکر کی تصدیق صرف مشاہدہ سے ہو جاتی ہے کیونکہ سورج تیز روشنی اور جھلسا دینے والی گرمی پہنچانے میں بھڑکتے ہوئے چراغ کی مانند ہے۔ اور چاند ہلکی اور ٹھنڈی روشنی دیتا ہے۔ اس لئے اسے نورانی کہنا ہی مناسب ہے اور یہ دونوں چیزیں اپنے خالق کے وجود اور اس کی توحید پر دلالت کرتی ہیں۔ اب ان کے متعلق آخر الذکر یعنی سائنسی تشریحات کو لیجئے تو پہلے تو مخاطب کو یہ بتانا پڑے گا کہ تخلیق کائنات سے قبل فضا بسیط سحابیہ سے پُر تھی جو دھوئیں سے مشابہ ایک چیز تھی جس میں ہائیڈروجن اور ہیلیم گیسوں کے ذرات ملے ہوئے تھے جو متحرک اور ناقابل تصور درجہ

حرارت پر تھے۔ کسی حادثہ یا دھماکے کے نتیجے میں اس سحابیہ میں انشقاق پیدا ہوا جس سے وہ لاتعداد ستاروں کے مجموعوں میں منقسم ہو گیا۔ ان میں سے ایک مجموعہ میں ہمارا سورج بھی ہے جس کا کچھ حصہ ٹوٹ کر آٹھ یا نو سیارے بن گئے جو مختلف مداروں میں مختلف چال سے سورج کے گرد گھومنے لگے۔ ان سیاروں میں ایک ہماری زمین بھی ہے۔ پھر زمین سے ایک ٹکڑہ علیحدہ ہو کر چاند یا تابع سیارہ بن کر زمین کے گرد ساڑھے انتیس دن میں اوسطاً دو لاکھ چالیس ہزار میل کے فاصلہ پر رہ کر ایک چکر پورا کرنے والا ہوا۔ زمین سے سورج بلحاظ وزن تین لاکھ گنا اور بلحاظ حجم تیرہ لاکھ گنا ہے اندرونی احتراق کے نتیجہ میں، جو اس میں برابر ہوتا رہتا ہے اس سے تیز روشنی اور گرمی خارج ہوتی رہتی ہے اس لئے اس کو "سراج وہاج" کہنا مناسب ہوا۔ اور چاند چونکہ خود روشن نہیں بلکہ سورج کی روشنی جو اس پر پڑتی ہے اسی کو زمین کی طرف منعکس کرتا ہے۔ یعنی اس کی روشنی سورج سے مستعار ہے۔ اس لئے اسے صرف نورانی کہہ سکتے ہیں اس پر اگر مخاطب یہ سوالات پیش کرے کہ سحابیہ، سورج اور زمین میں مذکورہ حوادث کیوں واقع ہوئے؟ جب زمین سورج کا ہی ٹکڑہ تھی تو اس میں اندرونی احتراق کی خاصیت سورج والی کیوں باقی نہ رہی یا جب چاند زمین کا ہی ایک ٹکڑا تھا تو اس میں زمین کے خواص مثلاً کرہ ہوا، بادو باراں، نباتات، وحیوانات وغیرہ کیوں نہ پیدا ہوئے وغیرہ — مجھے یقین نہیں کہ اس قسم کے سوالات، واشکالات جو اس تشریح کے متعلق پیدا ہوں گے۔ سائنس سے ان کے جوابات، شافی مل سکیں گے اور بالآخر ایک منصف سائنسدان بھی یہی کہنے پر مجبور ہو گا کہ اللہ تعالیٰ نے یوں ہی چاہا اور زبان حال سے ؎

هرچه دانا کند کند نادان — لیک بعد از خرابی بسیار

کا مصداق ہوگا۔ اب ڈاکٹر صاحب اور قارئین کرام خود فیصلہ کریں کہ کیا سائنسی تشریح و تفہیم موجودہ سیدھی سادی اور صحیح تفاسیر کے مقابلہ میں "بہتر" سمجھی جانے کی کسی درجہ میں بھی مستحق ہے؟ پھر یہ بات بھی کچھ بے وزن نہیں کہ بعض سائنسی نظریات جن کی بنیاد ظن و تخمین پر ہوتی ہے کبھی غلط ثابت ہوتے ہیں یا کم از کم ان کی صحت مشکوک ہو جاتی ہے مثلاً یہ نظریہ کہ چاند زمین کا ٹکڑا ہے مشکوک ہو گیا ہے کیونکہ چاند کی بعض چٹانیں (جو وہاں پہنچنے پر دستیاب ہوئی ہیں) طبقاتی جانچ کرنے پر زمین کی چٹانوں سے زیادہ پرانی ثابت ہوئی ہیں۔ ایسی صورت میں سائنسی معلومات پر مبنی بعض آیتوں کی تشریح و تفہیم کو عام تفاسیر سے بہتر تو کجا اپنی جگہ صحیح بھی نہیں سمجھا جا سکتا۔

دوسری مثال ملاحظہ ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:۔

ہم رات کو دن پر اور دن کو رات پر لپیٹتے ہیں۔ یا دن کو رات پر سے اتار لیتے ہیں اس کا سیدھا سادہ مطلب تو رات و دن کا تواتر ہے جس سے اللہ تعالیٰ کے وسیع القدرت ہونے اور اس کی توحید پر دلالت ہوتی ہے۔ لیکن اگر ان آیتوں کی سائنسی تشریح و تفہیم کی جائے تو مخاطب کو پہلے یہ سمجھانا پڑے گا کہ کرۂ زمین (جس کا گیند کی طرح تقریباً

آٹھ ہزار میل قطر کا ایک کروی جرم ہونا اس نے تسلیم کر لیا ہو) کا نصف حصہ ہمیشہ سورج کے سامنے رہتا ہے اور وہاں دن اور دوسری طرف والے نصف حصہ میں رات ہوتی ہے۔ پھر اس کو یہ بتانا پڑے گا کہ کرۂ زمین اپنے محور پر ایک دن رات یعنی چوبیس گھنٹے میں ایک چکر لگاتا ہے جس سے روشن حصہ تاریکی میں اور تاریک حصہ روشنی میں آتا رہتا ہے اسی کو اللہ تعالیٰ رات کو دن پر اور دن کو رات پر لپیٹنا یا دن کو رات پر سے اتار لینا فرماتے ہیں۔ اس پر اگر مخاطب یہ سوال کرے کہ زمین کی محوری گردش کی وجہ کیا ہے اور اس گردش کی رفتار اتنی ہی کیوں ہے کہ چوبیس گھنٹے میں ایک چکر پورا ہو؟ تو پھر سائنسدانوں کو یہی کہنا پڑے گا کہ اللہ تعالیٰ نے اسی طرح چاہا۔

تیسری مثال اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا ہے کہ ہم رات کو دن میں داخل کر دیتے ہیں جس سے دن بڑھ جاتا ہے اور دن کو رات میں داخل کر دیتے ہیں جس سے رات بڑھ جاتی ہے۔ یہ حقیقت ہر شخص کو مشاہد ہے، سائنس اس کی یہ وجہ بیان کرتی ہے کہ زمین اپنے بیضاوی مدار میں سورج سے تقریباً نو کروڑ ۳۶ لاکھ میل کے فاصلہ پر رہتے ہوئے ایک سال (۳۶۵ ¼ دنوں) میں ایک چکر لگاتی ہے۔ یہ گردش اس کی محوری گردش مذکورہ بالا کے علاوہ ہے۔ پھر ایک عجیب بات یہ ہے کہ اس کا محور سطح مدار پر عموداً واقع نہیں ہے۔ بلکہ اس کے ساتھ ۶۶ ½ درجہ کا زاویہ بناتا ہے۔ نیز یہ جھکاؤ ہمیشہ ایک ہی سمت میں رہتا ہے جس کے نتیجہ میں سورج کی شعاعیں کبھی خطِ استوار پر سیدھی پڑتی ہیں تو کبھی خطِ سرطان پر اور کبھی خطِ جدی پر جس سے دن رات گھٹتے بڑھتے اور موسم بدلتے رہتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ توجیہ عوام کی سمجھ سے بالاتر ہے۔ اور اس میں بھی محور کے جھکاؤ کی کوئی وجہ سائنس سوا اس کے نہیں بتا سکتا کہ خدا نے ہی جھکا رکھا ہے۔

ایک اور مثال لیجئے۔ سورہ رحمٰن آیت ۱۹، ۲۰ میں ہے۔ اس نے دو دریاؤں کو (صورۃً) ملایا کہ باہم ملے ہوئے ہیں (مگر حقیقۃً) ان دونوں کے درمیان ایک حجاب (قدرتی) ہے کہ دونوں (کے پانی اپنے رنگ اور ذائقہ کے ساتھ الگ الگ رہتے ہیں۔ اور ایک دوسرے میں داخل ہونے کے لئے) بڑھ نہیں سکتے

یہ کیفیت دو ندیوں کے سنگم پر یا کسی دریا کے سمندر میں گرنے کے مقام پر مشاہدہ سے ہر شخص کو معلوم ہو سکتی ہے۔ اور غور و فکر کرنے والے بآسانی اس سے اللہ تعالیٰ کی عجیب و عظیم قدرت اور توحید پر استدلال کر سکتے ہیں۔ سائنسی معلومات کے اعتبار سے یہ حجاب یا برزخ "سطحی تناؤ" کے نتیجہ میں پیدا ہوتا ہے۔ جس کو آج کل بھی سائنس سے ناواقف لوگ سمجھانے سے بھی نہیں سمجھ سکتے۔ اور سمجھنے والوں کو بھی یہ تو ماننا ہی پڑے گا کہ پانی میں یہ خاصیت اللہ تعالیٰ ہی نے پیدا کی ہے۔

اس مختصر سے تبصرہ میں گنجائش نہیں ورنہ میں ہر تکوینی آیت کے متعلق یہ دکھاتا کہ اس کی جو تفسیر ممتاز مفسرین (خصوصاً حضرت تھانویؒ) نے کی ہے۔ وہی اس کے مقصد نزول کے اعتبار سے بہترین اور ہر زمانہ کے لوگوں کے لئے

بآسانی قابلِ فہم ہے اور سائنسی معلومات سے اس کی بہتر تشریح و تفہیم نہیں ہوتی کیونکہ ایسی تشریح و تفہیم زمانۂ نزول قرآن میں تو کسی کے لئے ناقابلِ فہم تھی۔ اور آج بھی یہ سیاسی تناظر یعنی عوام کے لئے ایسی ہی ہے۔

اور یہ تو ان سائنسی معلومات کا ذکر ہے جن کی طرف قرآنی آیات میں اشارے ملتے ہیں۔ مگر بعض آیات کو تو سائنسی نظریات و انکشافات پر منطبق کرنا بالکل ہی غلط ہے۔ (مثلاً قرآن سے ہر شئے نر و مادہ کے جوڑوں کا وجود ثابت کرنا۔ زندگی کا آغاز پانی سے ہوا سمجھنا وغیرہ) جن کی کچھ تفصیل نمبر ۲ میں اوپر آچکی ہے۔

اخیر میں یہ بھی عرض کر دوں کہ سائنس سے بعض مظاہر قدرت کی توجیہہ ٹھیک ہوتی ہے لیکن جیسے مٹھائی کھانے کے خواہشمند کو اس کے بنانے کا طریقہ معلوم کرنے کے درپے ہونا بے کار ہے اسی طرح قرآنی آیتوں کی بلا ضرورت صحیح تفاسیر کے لئے اُن توجیہات میں پڑنا غیر ضروری ہے خصوصاً جب کہ وہ عام فہم بھی نہ ہوں۔ البتہ تبلیغ اسلام میں اس کی مدد لی جا سکتی ہے۔

۷۔ صفحہ ۹۔ بلکہ اس ایک صدی میں جب کہ بہت سے سائنسی انکشافات نے مذہبی عقیدہ کی جڑیں کھوکھلی کر کے رکھ دی ہیں۔ انہی انکشافات کی روشنی میں قرآن مجید کی آیات کے معروضی مطالعہ نے وحی آسمانی کے بعض پہلوؤں کے مافوق الفطرت کردار پر روشنی ڈالی ہے۔" تعجب ہے کہ ڈاکٹر صاحب کو قرآن کا وحی آسمانی ہونا دلیل سے معلوم ہو چکا ہے۔ پھر بھی وہ اب تک دولت ایمان سے محروم ہیں۔ رہا سائنسی انکشافات کا مذہبی عقائد کی جڑیں کھوکھلی کر دینے کا سوال تو مذہب اسلام کے متعلق یہ خیال بالکل غلط ہے جیسا کہ ڈاکٹر صاحب کو خود اس کا اعتراف ہے۔

۸۔ صفحہ ۱۰۔ "اگر ہم قرآن کی پرانی تفاسیر کو دیکھیں تو ہمیں پتہ چلے گا کہ باوجودیکہ وہ تمام اصحاب تفسیر اپنے زمانہ میں علم و دانش میں بہت ممتاز گردانے جاتے تھے۔ لیکن ان آیات کے معانی سمجھنے میں مکمل طور پر ناکام رہے ہیں"۔ جو تفسیریں ایسی آیات کی اسلاف نے کی ہیں وہ کافی ہیں۔ پس وہ ناکام قطعی نہیں رہے۔ اگر ان کو ناکام سمجھا جائے تو ناکامی کا یہ سلسلہ معاذ اللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچے گا۔ جس کا کوئی مسلمان تصور بھی نہیں کر سکتا۔ (جاری ہے)

مولانا نسیم احمد صاحب فریدی امروہی

میاں سید اصغر حسین محدث دیوبندیؒ

— اور —

درس ابوداؤد کی چند جھلکیاں

احقر شوال ۱۳۵۴ھ میں بغرضِ تعلیم دارالعلوم دیوبند پہنچا شعبان ۱۳۵۵ھ میں دورۂ حدیث سے فراغت پائی۔ اس کے بعد وہاں تقریباً ڈیڑھ سال اور رہا۔ یہ چمنستان علوم دینیہ اس وقت بھی بدستورِ سابق سرسبز و شاداب تھا۔ حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہٗ مسندِ صدارت پر جلوہ افروز تھے۔ حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمی رحمۃ اللہ علیہ مہتمم تھے۔

حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن محدث دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ کے کئی باکمال تلامذہ اپنی اپنی جگہ بیٹھے ہوئے حدیث، تفسیر، فقہ، اصولِ فقہ اور دیگر تمام عقلی و نقلی علوم کا درس دے رہے تھے۔ اس گلشن قاسمی و رشیدی میں ایک عجیب رونق تھی۔

یہ حضرت مولانا اعزاز علی امروہی ہیں جو شیخ الادب والفقہ کہلاتے ہیں۔ حدیث میں شمائل ترمذی وغیرہ ڑھاتے ہیں، دن رات دارالعلوم کی تعمیر ظاہری و باطنی اور تشنگان علوم کی سیرابی میں منہمک رہتے ہیں۔ یہ حضرت مولانا محمد ابراہیم بلیاوی ہیں جو جامع معقول و منقول ہیں، مسلم شریف اور معقول کی کتابوں کا درس دیتے ہیں۔ یہ حضرت مولانا عبدالسمیع ہیں۔ دیوبند کے باشندے ہیں۔ مدتوں سے دارالعلوم میں پڑھا رہے ہیں سادہ لباس اور بے تکلف عالم ہیں۔ مشکوٰۃ شریف جھوم جھوم کر پڑھاتے ہیں۔ تقریر کا انداز بھی بڑا پر کیف ہے ان نہایت صاف و شستہ ہے۔ بستان المحدثین مؤلفہ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا یہی اردو ترجمہ انہوں نے کیا ہے۔ حضرت مفتی محمد حسن صاحب بھاگلپوری بھی بحیثیت مفتی دارالعلوم یہاں جود ہیں۔ بڑے متبع سنت، بڑے پابند اوقات بزرگ ہیں۔ یہ حضرت میاں سید اصغر حسین محدث دیوبندی ہیں۔ روزانہ ت ابوداؤد کا درس دینے کے لئے دارالعلوم آتے ہیں۔ عجیب شان کے بزرگ ہیں۔ عصا ہاتھ میں اور ابوداؤد کے اجن کا درس دینا ہے، وہ ان کے پاس ہیں۔ آہستہ آہستہ، نیچی نظریں کئے ہوئے صاف ستھرا دیدہ زیب لباس

زیب تن کرکے تشریف لاتے ہیں۔ درس دے کر پھر اپنے مکان چلے جاتے ہیں۔ مکان پر ملاقات کرنے والوں کو عصر کے بعد سوقع دیتے ہیں صرف نماز باجماعت پڑھنے کے لئے مسجد میں آتے ہیں اور گھر چلے جاتے ہیں تصنیفات و تالیفات بھی ان کی کافی ہیں۔ گلزار سنت ان کی بہترین کتاب ہے۔ دو کتابیں علم فرائض میں ہیں۔

حضرت شیخ الہند کی سوانح عمری بھی انہوں نے لکھی ہے۔ جو بہت ہی دل نشیں اور عمدہ طرز تحریر سے آراستہ ہے۔ آج میں انہیں پر کچھ لکھوانا چاہتا ہوں۔ ان کا تصور بھی کبھی کبھی آجاتا ہے۔ نہ معلوم پچھلے دو مہینوں سے یہ تصور کیوں بڑھتا گیا۔ میاں صاحب کی باتیں یاد آتی ہیں۔ ان کا درس یاد آتا ہے۔ ان کا چلنا پھرنا یاد آتا ہے۔ ان کی نگاہ پر کیف بھی آتی ہے ع

وہ کب کے آئے بھی اور گئے بھی مگر نظر میں ہمارے سلے ہوئے ہیں

میں نے ان کے درس ابو داؤد شریف کی تقاریر کو ضبط کر لیا تھا۔ گو اس میں پورا کامیاب تو نہ ہو سکا لیکن خاص خاص تشریحات و توضیحات کو اسی وقت لکھ لیا تھا (حالانکہ وہ خود بھی زیادہ تقریر نہیں فرماتے تھے پھر بھی جو کچھ انہوں نے فرمایا اس کو بجنسہ قلم بند نہ کر سکا۔

تقاریر ابو داؤد کی یہ کاپی میرے لئے حرز جان بنی رہی۔ اور جہاں شیخ الاسلام حضرت مدنی کے افادات میرے کام آئے، وہیں ابو داؤد پڑھاتے وقت یہ قیمتی شذرات بھی میرے لئے رہنما بنتے رہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اول میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے تھوڑے سے حالات مع چند ملفوظات کے تحریر کرا دوں۔ پھر درس ابو داؤد کے چند نمونے لکھاؤں۔

میاں صاحب کی ایک سوانح عمری ان کے صاحبزادے مولانا سید اختر حسین صاحب دیوبندی مرحوم سابق استاد دارالعلوم دیوبند نے لکھی ہے۔ وہ اگرچہ مختصر ہے مگر بہت غنیمت ہے۔ اگر یہ کتاب سامنے نہ ہوتی تو میاں صاحب کے قابل ذکر حالات کا بھی پتہ نہ چل سکتا۔ اس کتاب پر اضافہ تو کیا ہوتا خود یہ کتاب بازار سے غائب ہے۔ دیوبند جو تجارتی کتابوں کی منڈی ہے وہاں اس کا پتہ نہیں۔ دہلی میں بھی یہ کتاب نہیں ملی۔ سہارنپور میں بھی غالباً موجود نہیں[1] یقیناً یہ ہماری بے حسی کی بات ہے کہ ہم اپنے بزرگوں کے نقوش کو ابھارنے بلکہ محفوظ کرنے کی بھی کوشش نہیں کرتے۔

مختصر سوانح و احوال حضرت میاں اصغر حسین صاحبؒ آپ شاہ سید محمد حسن دیوبندی کے صاحبزادے تھے

---

[1] مولانا قاری سید محمد عثمان منصور پوری استاد دارالعلوم کا شکریہ ادا کرنا ضروری ہے کہ انہوں نے مدنی دارالمطالعہ دیوبند سے عاریۃً یہ کتاب حاصل کر کے مجھ تک پہنچائی۔

۸ر شوال ۱۲۹۴ھ مطابق ۱۶ر اکتوبر ۱۸۷۷ء کو بروز سہ شنبہ بعد عشا پیدا ہوئے۔ سنِ شعور کو پہنچنے کے بعد اپنے والد کے حقیقی ماموں سید عبداللہ شاہ عرف منا شاہ رحمۃ اللہ علیہ سے بسم اللہ پڑھ کر اپنے والد بزرگوار سے تعلیم شروع کی۔ تقریباً ڈیڑھ دو سال میں تعلیم قرآن پاک حاصل کر کے والد ماجد ہی سے فارسی پڑھنی شروع کی۔ اور دورانِ تعلیم سوائے اپنے کارِ تعلیم کے کبھی کھیل کود یا فضول کام سے واسطہ نہ رکھا۔ گلستاں تک اپنے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھ کر دار العلوم کے درجہ فارسی میں داخل ہو گئے۔ یہاں بوستاں وغیرہ کتب فارسی مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کے والد ماجد مولانا محمد یٰسین دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھیں جو اس وقت دار العلوم میں درجہ فارسی کے مدرس اول تھے۔ اور فنِ حساب جناب مولانا محمد منظور احمد دیوبندی مرحوم سے حاصل کیا جو اس وقت دار العلوم کے مدرس ریاضی تھے۔ میاں صاحب نے درجہ فارسی کی تعلیم سے فارغ ہو کر ۱۳۱۰ھ میں درجہ عربی میں داخلہ لیا۔ آپ دار العلوم میں پڑھتے بھی رہے اور وقت نکال کر اپنے والد صاحب کے مدرسے میں پڑھاتے بھی رہے۔ ۲۱ر جمادی الاخریٰ ۱۳۱۲ھ کو آپ کے والد ماجد کا انتقال ہو گیا۔ تجہیز و تکفین کے بعد حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن قدس سرہ نے حضرت مولانا محمد احمد صاحبؒ مہتمم مدرسہ۔ حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب عثمانیؒ نائب مہتمم اور مفتی عزیز الرحمٰن صاحب عثمانی کی موجودگی میں میاں صاحب کو بلا کر فرمایا۔

"صاحبزادے والد صاحب کے انتقال سے پڑھنا مت چھوڑ دینا تحصیلِ علم میں مشغول رہنا"

جواب میں آپ نے عرض کی۔ "بہت اچھا"

اس وقت آپ شرح وقایہ پڑھ رہے تھے۔ والد صاحب کے انتقال کے بعد بھی ان کے مدرسہ کو پڑھانے کا کچھ وقت دیتے رہے۔ اور اپنی تعلیم بھی جاری رکھی۔ شہر کے بعض ہمدردانِ مدرسہ نے بہت اصرار کیا کہ اپنے والد کے مدرسہ ہی کو سنبھال کر بیٹھ جائیں۔ یا اس کی نگرانی کا ذمہ لیں۔ میاں صاحب نے دونوں باتوں سے انکار کرتے ہوئے فرمایا

"آپ خود ہی کوئی انتظام کر لیں۔ میں پڑھوں گا، مجھے نگرانی کی بھی فرصت نہ ہوگی"

اس کے بعد آپ نے حسب فرمودہ حضرت شیخ الہندؒ اپنے والد کے مدرسہ میں پڑھانا موقوف کر دیا۔ اور تعلّم علم عربی میں مصروف ہو گئے۔ حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ اور حضرت مولانا غلام رسول صاحبؒ سے بہت سی کتابیں پڑھ کر اپنے استاد خاص حضرت شیخ الہند کی خدمت میں رہ کر صحاح ستہ اور دیگر علوم کی اعلیٰ کتابیں پڑھیں۔ زمانۂ تعلیم میں نہایت انہماک کے ساتھ علوم دینیہ کی تحصیل میں مشغول رہے۔ اپنے اساتذہ انتہائی ادب و احترام کرتے تھے۔ یہی بات عنایات کا باعث بنی۔

مؤلف "سوانح حیات میاں صاحب" جناب مولانا اختر حسین صاحبؒ نے (جو آپ کے صاحبزادے ہیں) آپ کے زمانۂ تعلیم کا ایک بڑا دلچسپ واقعہ لکھا ہے۔

"ایک مرتبہ آپ کی اپنے استاد شفیق حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب قدس سرہٗ کی زبان مبارک سے بوقت درس سن کر کچھ تقریریں اور یادداشتیں جمع کی ہوئی کاپی کسی طالب علم نے چرا لی۔ آپ کو بہت رنج ہوا کوئی صورت دستیاب ہونے کی نظر نہ آئی تو اسی غم میں ایک روز مدرسہ بھی نہ گئے۔ اور حاضر درس نہ ہوئے۔ استاد شفیق کو خبر ہوئی تو عصر کے بعد تسلّی دینے کے لئے مکان پر تشریف لاکر دریافت کر کے افسوس ظاہر فرمایا۔ صبر دلایا اور دریافت فرمایا کہ:

"کیا تمہاری ہی لکھی ہوئی تھی؟" آپ نے عرض کیا "جی حضرت میں نے ہی لکھی تھی"

فرمایا "پھر کیا غم ہے پھر لکھ لینا۔ اور عجب نہیں کہ مل جائے"

اگلے روز بخاری کے سبق کے بعد سب طلبہ کو خطاب کر کے نہایت جوش سے فرمایا۔

"دیکھو ہمارے سید کی تقریریں جس نے لی ہوں، دے دو۔ ان کو بہت رنج ہے۔ اگر نہیں دے گا تو چاہے ہفت اقلیم کا بادشاہ ہو جائے لیکن علم سے ہمیشہ محروم رہے گا"

یہ سن کر سب طلبہ دم بخود رہ گئے۔ اور تین چار روز بعد چور نے حسنِ تدبیر سے وہ تقریریں رکھ دی۔ یہ بھی معلوم نہ ہو سکا کہ کس نے لی اور کیسے واپس ہوئی۔

۱۳۲۰ھ میں میاں صاحب نے تمام علوم عقلیہ ونقلیہ سے فراغت حاصل کی۔ بعد فراغت حضرت شیخ الہندؒ اور حضرت مولانا محمد احمد صاحب نے علاوہ اس سند کے جو سب طلبہ فارغین کو دی جاتی ہے۔ ایک خصوصی تحریر بھی آپ کو مرحمت فرمائی جو یہ ہے:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ حامداً ومصلیاً۔ اما بعد!

مولوی سید اصغر حسین ولد سید محمد حسن صاحب مرحوم ساکن دیوبند ضلع سہارنپور، اس مدرسہ عربیہ اسلامیہ دیوبند میں ابتدائے ۱۳۱۰ھ میں داخل ہوئے اور ۱۳۲۰ھ تک نہایت محنت اور شوق سے تحصیلِ علم میں مشغول رہے اس مدت میں مدرسہ ہذا کے سلسلہ نصاب کی تمام کتب درسیہ من اولہ الی آخرہ اچھی طرح پڑھیں اور مدرسے کے مدرسین و منتظمین کی ہمیشہ ان پر شفقت رہی۔ اور سب ان سے خوش رہے۔ یہ چند کلمات بطور سند کے تحریر کئے جاتے ہیں۔ اور ان کے لئے توفیق خیر کی دعا کی جاتی ہے۔

العبد محمود حسن

العبد احمد (مہتمم مدرسہ عربیہ) یکم ربیع الاول ۱۳۲۰ھ

میاں صاحب نے کتابی تعلیم کے ساتھ ساتھ باطنی تعلیم بھی جاری رکھی۔ وہ اپنے والد کے ماموں سید محمد عبداللہ شاہ عرف متّا شاہ دیوبندی سے بچپن ہی سے روحانی ربط رکھتے تھے۔ سید محمد عبداللہ شاہ اپنے اس نو عمر فیض یافتہ

کو کبھی میم شاہ اور کبھی فرخ سیر کہتے تھے۔ ۱۳۱۰ھ میں سید عبداللہ شاہ کا انتقال ہوگیا۔ مرحوم نے اپنی وفات سے کچھ عرصہ پہلے حج و زیارت کا شرف حاصل کیا۔ اور شیخ المشائخ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ سے مکہ معظمہ میں ملاقات کی۔ اور اپنے بھانجے سید محمد حسن صاحب اور بھانجے کے دو لڑکوں خورشید حسن صاحب، میاں اصغر حسین صاحب اور سید محمد حسن صاحب کے بھانجے سید محمد قاسم صاحب کے لئے زبانی و تحریری بیعت (عثمانی) مع الاجازت حاصل کرکے لائے۔ اس تحریر کی نقل یہ ہے۔

بپاس خاطر مخلص مکرم معرفت آگاہ سید	بپاس خاطر مخلص مکرم معرفت آگاہ سید
محمد عبداللہ شاہ صاحب بیعت مع الاجازت	محمد عبداللہ شاہ صاحب بیعت مع الاجازت
برائے عزیزان، شاہ محمد حسن و سید قاسم علی	عزیزان شاہ محمد حسن، سید قاسم علی، خورشید
و خورشید حسن و فرخ سیر مقبول و منظور کردہ	حسن اور فرخ سیر کے واسطے قبول و منظور
دعائے خیر ادا کردہ شد۔	کرکے دعائے خیر ادا کی گئی۔

سید عبداللہ شاہ نے وطن واپس ہوکر حضرت حاجی صاحب کا یہ تحریری اجازت نامہ کردیا اور اپنی بیعت و اجازت کے شرف سے بھی میاں صاحب کو مشرف کیا۔ چنانچہ حضرت میاں صاحب برابر آپ کی خدمت و صحبت میں رہ کر فیوض و کمالات باطنی سے بہرہ اندوز ہوتے رہے۔

حضرت سید محمد عبداللہ شاہ صاحب نے انتقال سے ایک روز قبل حضرت میاں صاحب کو فرخ سیر[1] کے لقب سے پکار کر اپنے سینے سے لپٹا لیا اور فرمایا۔

"اصغر تیرے سینے سے ہزاروں فیض یاب ہوں گے۔ اور مخلوق خدا کو تجھ سے فیض پہنچے گا۔"

ملازمت جونپور فراغت کے بعد غالباً ایک سال چند ماہ دارالعلوم کا کچھ دفتری کام بطور اجرت انجام دیتے رہے۔ اس کے بعد حضرت شیخ الہند اور حافظ محمد احمد صاحب نے مدرسہ مسجد اٹالہ کی معلمی کے لئے جونپور روانہ کیا۔ وہاں بیس روپے ماہوار پر تقرر ہوا۔ ۱۳ ذی قعدہ ۱۳۲۱ھ کو دیوبند سے جونپور پہنچے۔ اور ۱۶ ذی قعدہ کو اسباق مدرسہ شروع کرادئے۔ ۱۳۲۱ھ سے ۱۳۲۷ھ تک سات سال برابر اہل جونپور کو اپنے علوم ظاہری و باطنی کے فیوض سے مستفیض فرماتے رہے۔ اس ہفت سالہ قیام میں شہر جونپور اور گرد و نواح کے لوگ آپ کے اوصاف حسنہ اخلاق جمیلہ اور کمالات علمیہ کی وجہ سے بہت گرویدہ اور معتقد ہو گئے تھے۔ درس و تدریس، قرآن مجید کی تلاوت اور ذکر و مراقبہ کی مصروفیتوں سے جو وقت ملتا اس میں تصنیف و تالیف فرماتے تھے۔

---

[1] پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ سید عبداللہ شاہ میاں صاحب کو فرخ سیر کہا کرتے تھے۔

آپ کا تقرر دارالعلوم دیوبند میں ۱۳۲۷ھ میں دارالعلوم دیوبند سے رسالہ "القاسم" جاری کرنے کی تجویز ہو چکی تھی۔ اس کی ذمہ داری سنبھالنے کے لیے آپ کو بلانے کی سعی ذمہ داران دارالعلوم کی طرف سے اسی وقت سے کی جا رہی تھی۔ اور برابر سلسلہ خط و کتابت جاری تھا لیکن حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے کچھ عذرات پیش کرتے رہے۔ بالآخر حضرت شیخ الہندؒ، حضرت حافظ محمد احمد صاحب مہتمم مدرسہ، حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب نائب مہتمم مدرسہ۔ اور حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحب کی ایک متفقہ تحریر آپ کو بلانے کے لیے جونپور پہنچی اس کے جواب میں میاں صاحب نے حضرت شیخ الہندؒ کو لکھا کہ اگر حکم ہے تو بسر و چشم منظور۔ اور اگر تخییر ہے تو مجھے یہاں پر بہت آزادی ہے۔ علمی مشغلہ کے علاوہ تصنیف و تالیف، اوراد و وظائف کا موقعہ بھی مل جاتا ہے۔ اس کے جواب میں حضرت شیخ الہندؒ نے اپنے سعادت مند شاگرد رشید کو جو مکتوب گرامی تحریر فرمایا وہ بے تکلف طرز مکاتیب کا بہترین نمونہ اور ان کی حکمت عملی اور دور اندیشی کا آئینہ دار ہے۔ یہ مکتوب گرامی "سوانح حیات میاں صاحب" سے نقل کر کے پیش کیا جا رہا ہے۔

" برادر مکرم بارک اللہ فیکم وسلم

بندہ محمود تسلیمات مسنونہ کے بعد ملتمس ہے۔ گرامی نامہ پہنچا۔ بندہ کو مادۂ سوداوی نے ستا رکھا ہے ابھی حالت میں اپنی رائے پر رہا سہا اعتماد بھی نہیں ہو سکتا۔

آپ جیسے مخلص مکرم سے اپنا خیال عرض کرنے میں تکلف بھی لے جا ہے۔ خط جو آپ کے پاس گیا تھا اس پر، یہ ضعیف بھی شریک تھا۔ آپ کا خیال درست ہے۔ اول اپنا پریشان خیال آپ پر ظاہر کرتا ہوں۔ پھر استفسار کا جواب عرض کرتا ہوں۔ آپ کو معلوم ہے کہ میں بوڑھا ہو گیا ہوں۔ عالم شہود سے دور برزخ کے قریب ہو رہا ہوں اتنا فکر ضرور ہے کہ استاذؒ سے بفضل اللہ اگر منشا فہت کی نوبت آ گئی اور پوچھا کہ کہو مدرسہ کس پر چھوڑا؟ اور کس حالت میں ہے؟ تو اس کا جواب ایسا دے سکوں کہ پسند خاطر حضرت ہو۔ اس کی تدبیر کوئی نہیں مگر یہ کہ اپنے مخلصین صالحین لائق کے نام گنوا دوں۔ سو آپ کی طرف بھی بچند وجوہ میرا خیال ضرور جاتا ہے۔ اور چاہتا ہوں کہ آپ جیسے چند احباب مگر حقیقت میں مفید اور کارگر، کسی بہانے سے احاطۂ مدرسہ میں آنکھوں سے دیکھ لوں۔

آپ نے جو دو صورتیں تحریر فرمائی ہیں باللہ العظیم ہرگز اس کو پسند نہیں کرتا ہوں۔ کہ آپ مشغلہ تدریس سے یکسو ہوں بلکہ چاہتا ہوں کہ مشغلہ تدریس حالت موجودہ سے زائد نصیب ہو۔ میں تو آپ کے بلانے ہی کے لیے تدبیر موجودہ کو دراصل پسند کرتا ہوں۔ یہ ہرگز مطلب نہیں کہ سید صاحب مشغلہ علمی سے یکسو ہو کر رسالہ بازی میں عمر صرف کریں۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ سر دست رسالہ کی گاڑی سنبھالنے کا کوئی لائق معتمد علیہ شخص ہو۔ کچھ عرصہ کے بعد رسالہ کے لیے انشاء اللہ بہت پیدا ہو جائیں گے۔ اس وقت رسالے کی ابتدا اگر ہماری طرز و وضع اور خیال کے

کے خلاف پڑ گئی تو اندیشے کی بات ہے۔ اس وجہ سے بے شک یہ مستحسن نظر آیا کہ مکرم سید کو رسالہ دار بالفعل بنا دیا جاوے۔ اس لئے اپنا خیال عرض کرتا ہوں۔

آپ کو پسند اور بے تکلف گوارہ ہو تو سبحان اللہ ورنہ جو آپ کو منظور ہو ہم کو منظور ہو گا۔ اور آپ سے بخدا کوئی خلجان یا ملال کا واہمہ بھی ان شاء اللہ نہ ہو گا۔ وہ (خیال) یہ ہے کہ آپ بالکل اپنے مدرسہ کے احاطے کے اندر اللہ کا نام لے کر آجائیں۔ انشاء اللہ آپ کے شغل تدریس کی ہر طرح سے کوشش کی جائے گی۔ کہ قصور نہ آوے اور یہ شیخ چلی کا خیال اگر اعتماد کے قابل نہ ہو تو دو ماہ سے لے کر چھ ماہ تک رخصت دے کر تشریف لا کر رسالے کو ہمارے کہنے کے مطابق جاری فرما جائیں۔

اس کے بعد جو صورت آپ پسند فرمائیں۔ اس کے کرنے میں ہم آپ کی موافقت بلکہ متابعت خوشی کے ساتھ کرنے کو موجود ہیں۔ ان چند روزوں میں جو آپ کو رسالے کے متعلق تحریرات کی نوبت آئے گی اس کا حساب کیا جائے گا۔ کہ اتنی مدت کی تالیفات جونپور سے زائد ہوں گی یا کم۔ سو یہ میرا خبط ہے جو خیال کے قابل نہیں۔ میں خوب جانتا ہوں کہ آپ یہاں کسی عنوان سے آئیں گے۔ غالباً وہ آزادی اور استقلال جو جونپور میں ہے۔ آپ بوجوہ مختلفہ میسر نہ ہو گا۔ مگر کیا کروں اپنے خیال خام کی وجہ سے جیسا خود مقید ہوں اپنے لائق مخلصین کو بھی مقید کرنے کا شوق ہوتا ہے۔ آپ بالکل مدرسہ اور خدام مدرسہ کے خیر اندیش اور بہی خواہ ہیں۔ اور ہم خدام مدرسہ بالکل آپ کے خیر طلب اور دعاگو ہیں۔ خط آپ ہی ختم ہو گیا کاغذ ہی نہیں رہا۔

والسلام مع الاکرام۔ فقط[1]

اس مکتوب گرامی کے پہنچنے پر آپ نے جونپور کی ملازمت چھوڑنے کا قصد کر لیا۔ ہر چند اہل شہر اور باشندگان نواح شہر نے بالحاح و زاری کہا۔ کہ آپ یہاں سے نہ جائیں اگر تنخواہ بڑھوانا چاہیں تو تنخواہ بڑھوا دی جائے اگر اسباق کم کرانے چاہیں تو وہ کم کرا دیے جائیں۔ مگر آپ نے یہی کہا کہ استاد محترم کا حکم واجب التعمیل ہے۔

آپ کا دارالعلوم سے تعلق اور رسالہ "القاسم" کا اجرا: ۱۳۲۸ھ میں آپ دارالعلوم دیوبند تشریف لے آئے۔ آپ کے متعلق تصنیف و تالیف اور جملہ انتظام اجرائے رسالہ "القاسم" کر دیا گیا۔ جسے آپ نے نہایت حسن و خوبی کے ساتھ انجام دیا۔ ایک ہی دو سال میں "القاسم" کی اشاعت خیال سے زائد ترقی پذیر ہو گئی۔ آپ کے حسن انتظام سے "القاسم" بیش بہا مضامین سے مزین ہو کر ماہ بماہ نکلتا رہا۔ اور اس سے خواص و عوام فیضیاب ہوتے رہے۔

---

[1] "سوانح حیات" میں حضرت شیخ الہند کے تین اور مکتوب بھی جو میاں صاحب کے نام ہیں درج ہیں

درس حدیث | مؤلف "سوانح حیات میاں صاحب" تحریر فرماتے ہیں :

جب رسالے کے اجراء اور قیام کا انتظام ہر اعتبار سے مکمل ہوگیا تو حضرت "میاں صاحب" کی خواہش کے موافق ذمہ داران دارالعلوم نے رسالہ کی ادارت و انتظام کو دوسرے صاحب کے سپرد کرکے آپ کے متعلق صرف درس حدیث و تفسیر کر دیا۔ دارالعلوم دیوبند کی مدرسی کے عہدۂ جلیلہ پر فائز ہو کر اعلیٰ اساتذہ کی صف میں رہ کر تاحیات آپ ہزاروں تشنگان علوم کی کماحقہ سیرابی فرماتے رہے۔ درس میں کبھی غیر متعلق اور خارجی باتوں کا ذکر نہ فرماتے۔ بہت مختصر، جامع اور بہت مفید جملوں میں مسئلہ کی تحقیق اور مطلب کا حل فرما دیتے تھے۔ حق تعالیٰ نے آپ کی تقریر میں یہ اثر عطا فرمایا تھا کہ بات فوراً دلنشیں ہو جاتی تھی۔

پابندی اسباق | مؤلف "سوانح حیات میاں صاحب" نے اس بارے میں جو فرمایا ہے میں اس کو بھی یہاں پیش کرنا مناسب سمجھتا ہوں۔

دارالعلوم باوجودیکہ آپ کے مکان سے فاصلہ پر واقع ہے۔ لیکن کیسی ہی شدید سردی ہو یا گرمی، بارش ہو یا دھوپ تکلیف برداشت کرکے برابر مدرسہ تشریف لے جاتے اور حتی الامکان درس ناغہ نہ فرماتے حتیٰ کہ ۱۳۵۴ھ میں آپ کی جوان عمر صاحبزادی کا انتقال قبیل صبح صادق ہوگیا۔ تو نہایت صبر و شکر کے ساتھ آپ نے انا للہ و انا الیہ راجعون پڑھا۔ اور بعد نماز فجر اپنے فرزندوں کو تجہیز و تکفین کے متعلق ہدایت فرما کر خود مدرسہ تشریف لے گئے اور حسب دستور وقت مقررہ پر سبق پڑھایا اور سبق کے بعد درسگاہ میں طلبہ سے مرحومہ کی مغفرت کے لئے دعا کرائی جب مکان پر تشریف لائے تو جنازہ قریب تیاری تھا۔ اور ایک مجمع اقربا، اہل محلہ اور اہل شہر کا موجود تھا۔ تھوڑی دیر میں مدرسہ سے جانشین شیخ الہند حضرت العلامہ مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی مدظلہ صدر مدرس اور حضرت العلامہ مولانا الحاج قاری محمد طیب صاحب مدظلہ مہتمم مدرسہ و دیگر حضرات مدرسین و ملازمین برائے تعزیت تشریف لائے۔ آپ نے حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی مدظلہ سے نماز جنازہ پڑھوائی۔ اور بعد نماز کے جب ان (دونوں) حضرات نے قصد معیت جنازہ کیا تو آپ نے فرمایا کہ آپ حضرات مدرسہ تشریف لے جائیں اور اپنے اپنے کام میں مشغول ہوں۔ جنازہ کی تدفین کے لئے اقربا اور اہل شہر کی کافی جماعت ہے۔ اگرچہ ان حضرات نے انکار بھی بہت کیا۔ لیکن باصرار و تقاضا ان کو واپس کرکے جنازہ کے ساتھ شریک ہوئے۔

اللہ اللہ کس درجہ محتاط، زاہد و متقی صابر و شاکر، راضی برضائے مولا تھے۔

آپ نے ۴۵ سال دارالعلوم میں تعلیم دی۔ اور نشر و اشاعت دین میں مصروف رہے۔

سفر حج | آپ نے اپنی حیات مبارک میں تین حج ادا فرمائے۔ سب سے پہلا حج ۱۳۳۰ھ میں دوسرا ۱۳۴۵ھ میں اور تیسرا ۱۳۵۰ھ میں ادا کیا۔

تصنیف و تالیف | بقول مؤلف "سوانح حیات میاں صاحب" آپ نے بزمانۂ قیام جونپور تقریباً سولہ سترہ کتابیں تالیف کیں۔ اور دارالعلوم سے تعلق ہو جانے کے بعد درس و تدریس، ذکر و مراقبہ، اوراد و وظائف اور تلاوت کے ساتھ ساتھ اٹھارہ انیس کتابیں تالیف فرمائیں۔ یہ سب کتابیں نہایت معتبر، عام فہم اور سلیس اردو زبان میں ہیں۔ اور ہر مبتدی اور منتہی کے لئے یکساں نفع بخش ہیں۔ اپنے استاد محترم حضرت شیخ الہند کی سوانح عمری بھی آپ نے نہایت مؤثر اور دلنشیں الفاظ میں تحریر فرمائی ہے۔ فرائض کی مشہور درسی کتاب سراجی کا حاشیہ بھی عربی زبان میں نہایت عمدہ اور بہترین لکھا جو مدارس اسلامیہ اور اہل علم میں مقبول ہوا۔

تعویذ و دعا | آپ کے والد ماجد شاہ محمد حسن اور آپ کے والد کے ماموں سید عبداللہ شاہ عرف منّا شاہ سے (جو آپ کے مرشد بھی تھے) سلسلہ عملیات چلا آرہا تھا۔ آپ نے بھی ان کے بعد اس سلسلہ کو جاری رکھا۔ عصر کے بعد حضرت میاں صاحب اہل حاجت کو تعویذات دیتے تھے۔ دیوبند، نواح دیوبند اور دور دور سے لوگ آپ کے پاس برائے تعویذ و دعا آتے تھے۔ اور بفضلہ تعالیٰ کامیاب ہوتے تھے۔

مؤلف سوانح حیات میاں صاحب اس سلسلہ میں رقمطراز ہیں:۔

آپ کے تعویذات تیر بہدف تھے۔ بلاد و امصار و مواضعات کوئی جگہ ایسی نہ ہوگی جہاں پر آپ کی شہرت نہ ہو۔ طالبین اور اصحاب حاجت اس کثرت سے رجوع ہونے لگے۔ کہ کسی وقت آپ کو فرصت نہ دیتے۔ اور آپ کے ذکر و وظائف میں رخنہ انداز ہوتے۔ اس لئے آپ نے عصر سے مغرب تک تعویذات کی تقسیم کے لئے اپنا قیمتی وقت مقرر و متعین فرما دیا۔ اور علاوہ (اس) مخصوص وقت کے اندر آنے کی اجازت نہ دیتے۔ اگر طبیعت ناساز ہوئی اور اندر آنے کی عام اجازت دے دی تو بجائے مزاج پرسی کے لوگوں نے تعویذوں کی فرمائش شروع کر دی۔ ایسی حالت میں بھی آپ اہل حاجت کی ضرورت کو پورا فرماتے اور باوجود علالت کے تعویذات مرحمت فرماتے تھے۔ بہت سے آسیب زدہ اور دیوانے زنجیروں میں باندھ کر آپ کے در دولت پر لائے جاتے اور شفا یاب ہو کر واپس جاتے۔ روزانہ ایک ہجوم اصحاب حوائج کا آپ کے مکان پر رہتا۔ بعض محض زیارت و دعا کے طالب ہوتے۔ ان کو دعا اور زیارت سے سرفراز فرماتے۔

عادات و خصائل | حضرت میاں صاحب کے صاحبزادے اپنے والد ماجد کے اخلاق و عادات کا تذکرہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔

حق تعالیٰ شانہ نے آپ کو ایسی فراست عطا فرمائی تھی کہ ایک ہی نظر میں کھرے کھوٹے کی شناخت کر لیتے تھے آپ اپنے والد ماجد مرحوم کے شاگردوں پر، جن میں دیوبند کے ہندو مسلم کثیر التعداد لوگ تھے، نہایت شفقت و عنایت فرماتے تھے۔ صدقہ و خیرات اس طرح فرماتے تھے کہ کسی متنفس کو بھی اس کا علم نہ ہوتا تھا۔ محلہ کے یتیم بچے

غریب، مفلس، بوڑھے جمعہ کو مختلف اوقات میں آتے تھے اور ہر ایک کو حسب ضرورت مخفی طور پر عطا فرماتے تھے مساکین طلبہ دارالعلوم کی ہر طرح سے امداد و اعانت فرماتے تھے۔ اخفاء کا لحاظ اس قدر فرماتے کہ بعض لینے والے کو بھی خبر نہ ہوتی کہ یہ رقم کہاں سے آئی۔

چنانچہ ایک شخص بوجہ غربت و ناداری اپنی جوان لڑکی کی شادی کے لئے سخت پریشان تھا اور بوجہ شرم و بدنامی کسی سے سوال بھی نہیں کر سکتا تھا۔ آپ سے اس نے دعا کے واسطے عرض کیا۔ آپ نے کچھ کپڑے اور کچھ نقدی ایک اجنبی شخص کے ہاتھ رات کے وقت اس کے مکان پر بھجوا دی۔ اور یہ فرما دیا کہ یہ سامان دے کر فوراً واپس ہو جانا۔ اس کے سوال کا کوئی جواب نہ دینا۔ غرض اس اجنبی نے ایسا ہی کیا۔ کئی روز تک وہ غریب لوگوں سے دریافت کرتا رہا۔ کہ کس نے ایسے وقت میں میری مدد کی؟ جب معلوم نہ کر سکا تو حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے اپنا واقعہ بیان کیا۔ کہ نہ معلوم کوئی فرشتہ تھا کہ رات کو آیا اور مجھے کپڑے کا تھان اور کچھ روپیہ دے کر فوراً واپس ہو گیا۔ آپ نے فرمایا۔ میاں آپ کو اس کے تلاش کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ کہ کون دے گیا اور کس نے بھیجے؟ خدا تعالیٰ نے تمہاری مدد فرمائی اپنے خرچ میں لاؤ۔

آپ کی عادت شریفہ تھی کہ ہر شخص سے اس کے درجہ اور لیاقت کے مطابق تعلق و گفتگو اور معاملہ فرماتے تھے۔ جس کی وجہ سے ہر شخص اپنے دل میں یہی سمجھتا تھا کہ میرے ساتھ بہت خاص تعلق ہے۔ بالخصوص اہل علم کا بہت زیادہ احترام و ادب ملحوظ فرماتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ ایک اہل علم زیارت و ملاقات کے لئے حاضر ہوئے۔ مونڈھے پر بیٹھ گئے۔ اور جیسا کہ آج کل عام عادت ہے کہ ایک پاؤں اٹھا کر گھٹنے پر رکھ لیتے ہیں اسی طرح بیٹھ گئے۔ چونکہ یہ ہیئت تواضع کے بھی خلاف ہے اور ادب کے بھی۔ اس لئے اگر میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں کوئی ایسا کرتا تو فوراً متنبہ فرما دیا کرتے تھے۔ لیکن ان کے علم کا احترام پیش نظر تھا کچھ فرمایا نہیں۔

پھر کئی مہینے بعد جب وہ دیوبند آئے اور آپ کی زیارت کے لئے حاضر ہوئے۔ باہر سے اجازت طلب کی۔ آپ کی تعلیم و تربیت کا اہتمام دیکھئے۔ فرمایا اجازت ہے بشرطیکہ ٹانگ پر ٹانگ رکھ کر نہ بیٹھیں۔ ان کو اس سے پہلے کسی نے متنبہ نہ کیا تھا اور نہ خود ہی اس کا احساس ہوا تھا۔ اب اپنی غلطی پر متنبہ ہو کر شرمندہ ہوئے اور جب سامنے آئے تو شرمندگی کے آثار ان پر نمایاں تھے۔ پھر تو حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے ایسی بے تکلفی سے گفتگو فرمائی جس سے ان کے قلب سے بالکل یہ اثر جاتا رہا۔

حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اوصاف حسنہ سے تھا کہ ہر موسم کے پھل اور گنے کے موسم میں کھیر پکوا کر اہل محلہ، طلبہ اور مساکین اور غرباء کو تقسیم فرماتے اور کھلاتے تھے۔ بالخصوص آموں کی فصل میں بہت زیادہ مقدار میں خرید کر طلبہ کی دعوت فرماتے تھے۔

ارشاد و ہدایت | آپ کسی کے اندر طلب صادق دیکھتے تو اس کو بیعت فرما لیتے چنانچہ بہت سے اشخاص کو آپ سے شرف بیعت حاصل ہے۔ بنگال، آسام اور کوئی صوبہ اور ضلع آپ کے مریدوں سے خالی نہیں۔ سورت کے علاقے میں کثرت سے آپ کے مرید ہیں۔ آپ ہر سال سورت کے علاقے میں تشریف لے جاتے تھے۔ اور ایک دو ماہ قیام بھی فرماتے۔ ۲۵ سال متواتر آپ اس علاقے میں تشریف لے جاتے رہے۔ اور لاہور بھی آٹھ نو سال تک آپ تشریف لے جاتے رہے۔ پروفیسر کریم بخش ایم اے کے یہاں آپ کا قیام رہتا تھا۔

پروفیسر صاحب سے آپ کا خصوصی تعلق تھا۔ اس کے علاوہ رنگون، کلکتہ، چاٹ گام، نوا کھالی وغیرہ لوگوں کو بھی آپ نے اپنے حلقہ بیعت میں شامل کیا۔

سلسلہ مرض وفات | شوال ۱۳۶۲ھ سے راندیر میں سلسلہ مرض شروع ہو گیا تھا۔ دہلی پہنچ کر علاج کرایا۔ پھر دیوبند تشریف لائے۔ گرمی کے زمانے میں مسوری، ڈیرہ دون، شملہ، کسولی اور دیگر مختلف مقامات کے آخری سفر فرما کر ۲۲ رمضان ۱۳۶۳ھ واپس دیوبند تشریف لے آئے۔ ۲۶ رمضان کو بارادہ راندیر دیوبند سے روانہ ہو کر دہلی پہنچے مرض کی تکلیف بڑھ گئی اس لئے عید دہلی ہی میں کی۔ اس کے بعد راندیر تشریف لے گئے۔ راندیر میں علاج جاری رہا۔ یہاں سے بمبئی تشریف لے گئے۔ وہاں یونانی اور ڈاکٹری علاج کیا۔ اسی حالت میں پونا، کاٹھیا واڑ وغیرہ تشریف لے گئے۔ پھر راندیر اپنی جائے قیام پر تشریف لے آئے۔ سیٹھ اسمٰعیل خان غلام حسین صاحب سورتی کے مکان پر قیام تھا۔ یہاں پر ہر طرح علاج معالجہ کیا گیا۔ بالآخر ۲۲ محرم ۱۳۶۴ھ مطابق ۸ جنوری ۱۹۴۵ء راندیر میں بروز دوشنبہ بوقت ظہر اس دار فانی سے سفر فرما گئے۔

اپنی وفات سے دس پندرہ روز پہلے یہ بھی فرمایا کہ وطن کو واپس جانے کا ارادہ کرتا ہوں لیکن راندیر کی زمین نے میرے پاؤں پکڑ لیے ہیں۔ تین چار روز پہلے کئی شخصوں سے یہ بھی فرمایا کہ پیر کے دن تو چلنا ہی ہے۔

راندیر کے گرد و نواح میں آپ کی وفات کی خبر پھیل گئی۔ سورت کے گرد و نواح کے لوگ بھی جمع ہو گئے اور رات کے ۱۰ بجے اس خزینۂ علم و عمل اور مجسم زہد و تقویٰ کو بحالت غریب الوطنی راندیر کے قبرستان میں سپرد خاک کر دیا گیا۔ ۶۹ سال تین ماہ اور ۱۴ یوم عمر پائی۔

اولاد | آپ نے دو صاحبزادے یادگار چھوڑے۔

۱۔ مولانا سید اختر حسین صاحب مرحوم سابق استاد دارالعلوم دیوبند

۲۔ حاجی سید محمد بلال صاحب

دونوں صاحب زادوں کی اولاد موجود ہے۔ حاجی سید محمد بلال صاحب کے صاحبزادے مولانا سید خلیل الرحمٰن صاحب، حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا قدس سرہ کے خلیفہ مجاز ہیں۔

اب آخر میں حضرت میاں صاحب کے چند ملفوظات درج کئے جاتے ہیں۔

ایک مجلس میں بسلسلہ کلام آیت کریمہ مَا عِندَكُمْ يَنفَدُ وَمَا عِندَ اللَّهِ بَاقٍ پڑھی۔

ترجمہ۔ جو چیزیں تمہارے پاس ہیں وہ سب فنا ہونے والی ہیں۔ اور جو چیزیں اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں وہ باقی رہنے والی ہیں۔

اور فرمایا کہ عام طور پر لوگ اس کو مال و متاع اور دولت و سامان پر مقصور سمجھتے ہیں۔ لیکن الفاظ قرآن کے عام ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے کل احوال و اوصاف اور حوادث و عوارض کا یہی حال ہے کہ سب گذشتنی اور گذاشتنی اور سریع الزوال ہیں۔ جیسے ہمارے مال و متاع کو کوئی قرار و قیام نہیں۔ اسی طرح دوستی، دشمنی، رنج و خوشی، غصہ و رضا جو کچھ دنیا کے لئے ہو سب کا یہی حال ہے کہ اس کی کوئی بنیاد نہیں اس لئے نہ کسی کی دوستی اور مہربانی پر اعتماد و اطمینان چاہئے نہ کسی کی دشمنی اور ناراضی کا بہت زیادہ اثر لینا چاہئے نہ دنیا کی کوئی راحت و خوشی اس قابل ہے کہ اس میں انسان مست ہو جائے اور نہ کوئی بڑے سے بڑا غم اس قابل کہ اس میں مایوس و بے دل ہو جاوے کہ یہ سب ختم ہونے والی چیزیں ہیں۔

ایک مجلس میں فرمایا کہ دنیا و ما فیہا فانی ہیں۔ اصل مقصود ہے حیات اخروی اور اس کا مدار ہے قرب خداوندی پر جس قدر قرب خداوندی ہوگا اسی قدر حیات اعلیٰ درجہ کی ہوگی اور قرب حاصل ہوتا ہے اعلیٰ خصائل حاصل کرنے سے اور رذائل و اخلاق ذمیمہ کو دور کرنے سے۔ تو حیات آخرت اور قرب خداوندی اسی درجہ کا حاصل ہوگا جس درجہ آدمی اوصاف ذمیمہ سے پاک ہوگا۔ اور جس قدر اس میں نقصان ہوگا اسی قدر حیات آخرت جس کی جا بجا بشارت دی گئی ہے اور قرآن مجید میں اس کی بھلائی کو بیان کیا گیا ہے۔ ضعیف و ناپائیدار ہو گئی۔

ایک روز ارشاد فرمایا کہ آج گھر سے مدرسے جاتے ہوئے ایک تماشہ دیکھا کہ محلہ کوٹلہ میں کنوئیں کے قریب کچھ لڑکیاں جمع تھیں۔ جو جنگل سے گوبر جمع کر کے لائی تھیں۔ اور یہاں بیٹھ کر اس کی تقسیم میں اس طرح مشغول تھیں کہ جیسے کسی جایئداد کی تقسیم کر رہی ہوں۔ ذرا ذرا سی مقدار پر لڑ رہی تھیں۔ ہم بھی ان کا تماشہ دیکھنے کو ایک دو منٹ کھڑے ہو گئے۔ تو معاً حق تعالیٰ نے ایک بڑی حکمت و عبرت قلب میں ڈال کر ان لڑکیوں کے لڑنے کو ہم بڑی حقارت سے دیکھتے اور ہنستے ہیں۔ کہ یہ کس نجاست و غلاظت پر لڑ رہی ہیں۔ لیکن اگر حق تعالیٰ ہماری آنکھیں کھول دیں اور صحیح بصیرت عطا فرماویں تو یقین ہو جائے کہ ہم جس بڑی سے بڑی دولت یا عزت و وجاہت کے لئے باہم برسرپیکار ہیں۔ خاندانوں اور نسلوں میں جنگ و جدل کے سلسلے چلتے ہیں۔ قتل و غارت تک کی نوبت آ جاتی ہے۔ ان سب چیزوں کی حقیقت بھی اس گوبر سے زیادہ نہیں۔ اور اللہ والوں کی

تو ہمیں ہماری لڑائی ان لڑکوں کی لڑائی سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔

ایک روز بسلسلہ کلام فرمایا کہ دارومدار ساری ولایت و بزرگی کا اتباع ہے حضور سرورعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا اور صحابہ رض کا جس قدر تقوی اور خشیت اللہ کا جذبہ ہوتا ہے اسی قدر معرفت حق تعالی پیدا ہوتی ہے۔ اور جب مضمون اپنی عاجزی اور خاکساری کا دل میں جم جاتا ہے اور عظمت و جلال خداوندی پیش نظر ہوتی ہے۔ تو تمام خیالات و توہمات فاسدہ دل سے خود بخود نکل جاتے ہیں۔ اور انعامات بے قیاس اس طرف سے طاری ہو جاتے ہیں۔

ارشاد فرمایا کہ انسان سارے شبہات و اشکالات کی بنیاد بندے اور حق تعالی کے درمیان نسبت کا معلوم ہونا ہے۔ یہ نسبت منکشف ہو جائے تو نہ عقیدہ کا کوئی اشکال باقی رہے نہ معاملہ کا۔

ایک مرتبہ فرمایا زندگی مستعار راحت و آرام سے بسر ہو یا تنگی و افلاس سے۔ ہر حال میں شکر گذار رہنا چاہیئے۔ دنیا کی کسی راحت و تکلیف کا کوئی اعتبار نہیں۔ بہت جلد گذر جاتی ہے نہ یہاں کی راحت کو بقا ہے اور نہ تکلیف کو۔

ارشاد فرمایا۔ بزرگوں کا یہ طریقہ تھا کہ اہل محلہ کی خبر گیری کرتے تھے۔ بیکسوں، محتاجوں کی ضروریات سودا سلف لا دیتے تھے ہم سے تو یہ بھی دشوار ہے کہ اپنے کام کو جائیں تو دوسرے کا کام بھی کر لادیں۔ یا کسی محتاج۔ بیکس۔ رانڈ بیوہ کا بازار کا کام کر دیں۔ حالانکہ اللہ تعالی نے چھوٹی چھوٹی باتوں پر بڑا ثواب مقرر فرمایا ہے کسی کو راستہ بتا دیا۔ کسی کا بوجھ اٹھوا دیا۔ یہ بھی صدقہ ہے اللہ تعالی کے خزانے میں کمی نہیں۔ صرف ضرورت ہے طلب صادق کی اور نیت خالص کی۔

از منشی عبد الرحمٰن خان

قرآنِ کریم — اور — علومِ فلکیات

مظاہرِ فطرت | قرآن کریم دنیا کی پہلی کتاب ہے جس نے علوم فلکیات کی طرف انسان کی توجہ دلائی۔ اسے مظاہر فطرت کے مطالعہ و مشاہدہ کی دعوت دی۔ اور ان کی حقیقت معلوم کرنے پہ زور دیا۔ گو زمانۂ قدیم ہی سے ستارے انسان کی صحراؤں اور سمندروں میں راہ نمائی کر رہے تھے۔ مگر قرآن نے یہ کہہ کر ان کی اہمیت بڑھا دی کہ چاند ستارے اور سورج کا تعلق نماز، روزہ اور حج کی عبادات سے بھی ہے۔ کیونکہ ان کی مختلف حالتوں اور منزلوں سے ہی وقت کا تعین ہوتا ہے۔ اور قبلہ کا صحیح رخ معلوم ہوتا ہے۔ اسی لئے جوزف ہیل کے قول کے مطابق روحانیت کے بعد مسلمانوں نے سب سے زیادہ توجہ ریاضیات اور فلکیات پر دی۔ مسلمان حکمار اور سائنسدانوں نے ہی الجبرا اور جیومیٹری کے ایسے اصول اور فارمولے وضع کیے جن کے بغیر سائنسدان ایک قدم بھی نہیں چل سکتے اور انہی علوم کی بنا پر آج انسان کشش ارضی کی غیر مرئی زنجیروں کو توڑ کر آسمان کی طرف مائل پرواز ہے۔ ڈاکٹر لیبان "تمدن عرب" میں لکھتے ہیں کہ:

"طلوع اسلام کے فوراً بعد ۱۳۲ھ میں بغداد میں مدرسہ ہیئت قائم ہو چکا تھا جو سات سو سال تک جاری رہا"

اور موسیو سیدیو نے "تاریخ عرب" میں لکھا ہے کہ:

"اس مدرسہ کے علمار و حکمار کا کمال یہ تھا کہ وہ دوربین اور کواکب کے ارتفاع معلوم کرنے والے آلہ اصطرلاب کی مدد کے بغیر علوم فلکیات میں پورا کمال پیدا کر لیتے تھے"

رصدگاہ | دورِ اسلام کی پہلی رصدگاہ ۲۱۴ھ میں ہی دمشق میں قائم ہو گئی تھی۔ اور یورپ میں پہلی رصدگاہ بھی مسلمانوں نے قائم کی تھی۔ مسلمانوں نے ہی سب سے پہلے دوربین۔ قطب نما اور آلات اختر شناسی تیار کیے۔ ڈاکٹر ڈریپر "معرکہ مذہب و سائنس" میں لکھتے ہیں کہ:

" مسلمانوں نے ان تمام سیاروں کی فہرست مرتب کی جو آسمان پر نظر آئے اور بڑے بڑے ستاروں کے

نام رکھے جو آج تک تبدیل نہیں ہوئے۔"

چنانچہ تیمور کے پوتے الغ بیگ نے ستاروں کی جو زیچ یا ڈائرکٹری مرتب کی اس میں پانچ ہزار ستاروں کے نام، محل وقوع اور خصوصیات درج ہیں۔ یہاں تک کہ اس میں ارضی گردش کی بدولت ستاروں کے محل وقوع میں ہونے والی تبدیلیوں تک کی تفصیل ملتی ہے جن سے آج تک سائنسدان استفادہ کر رہے ہیں۔

علوم فلکیات سے چونکہ سب سے پہلے مسلمان حکماء نے دنیا کو روشناس کرایا تھا اس لئے اسٹرانومی کی تمام بنیادی کتابیں عربی میں ہیں اور قریباً قریباً تمام ستاروں کے ننانوے فیصد عربی نام معمولی تلفظ کی تبدیلی سے آج تک مروج ہیں۔ یہاں تک کہ ان کا محل وقوع بھی قریباً قریباً وہی تسلیم کیا گیا ہے جو مسلمان ماہرین نے متعین کیا تھا۔ اور جن کی صحت پر دور جدید کی دوربینوں نے مہر تصدیق ثبت کردی ہے۔ یہی اسلامی علوم، تراجم کے ذریعے عربی سے دوسری مغربی زبانوں میں منتقل ہوئے۔ مسلمانوں نے ان سائنسی علوم کی طرف توجہ دینی چھوڑ دی جو ان کی میراث تھے اور اہل مغرب نے ان ہی اسلامی علوم کو اپنا کر اتنا آگے بڑھایا کہ ان کے ذریعے نہ صرف چاند تک پہنچ گئے بلکہ اس سے بھی آگے جا رہے ہیں۔

عظیم کارنامہ انسان کا چاند پر پہنچ جانا واقعی ایک عظیم کارنامہ ہے۔ لیکن یہ اہل ایمان کے لئے اتنی اہمیت کا حامل نہیں۔ جتنی اسے منکرین حق اہمیت دے رہے ہیں کیونکہ قرآن کریم میں راکٹوں، میزائلوں یا خلائی جہاز (؟) سے بھی زیادہ تیز رفتار ذرائع اور وسائل کا ذکر موجود ہے۔ جن کی بدولت افلاک گیر واقعات ظہور میں آئے۔

مثلاً حضرت سلیمان علیہ السلام کے دربار میں جب ملکہ سبا کا تخت لانے کا سوال پیدا ہوا تو ایک طاقتور جن نے اپنی خدمات پیش کیں۔ مگر آپ کے دربار کے وزیر آصف بن برخیا نے کہا۔

قَبْلَ اَنْ يَّرْتَدَّ اِلَيْكَ طَرْفُكَ (النمل ۱۵/۱۹)

کہ میں اسے چشم زدن میں لانے کا علم جانتا ہوں۔

چنانچہ اس نے آنکھ جھپکتے میں سینکڑوں میل دور پڑا ہوا تخت لا کر دربار سلیمانی میں پیش کردیا۔

دوسرا واقعہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ہے جو جسد عنصری کے ساتھ آناً فاناً چوتھے آسمان پر پہنچا دئے گئے۔

بل رفعه الله اليه۔

تیسرا واقعہ معراج النبی کا ہے جب سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کو برق سے بھی تیز رفتار براق کے ذریعہ جسم اطہر کے ساتھ راتوں رات ساتوں آسمانوں اور عالم بالا کی سیر کرا کر واپس پہنچا دیا گیا۔ سُبْحَانَ الَّذِيْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلًا

قرآن کریم نے انسان کے آسمان پر پہنچنے کی صرف شہادت ہی پیش نہیں کی بلکہ اس نے انسان کو چاند اور ستاروں

پر پہنچنے کی دعوت بھی دے دی ہے۔

قُلِ انظُرُوا مَاذَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط کہہ دیجئے کہ آسمانوں اور زمین میں مظاہر قدرت کا مشاہدہ کرو۔
جس کی ایک دوسرے مقام پر یہ بیان فرمایا۔ وَلِيَكُونَ مِنَ الْمُوقِنِينَ ۔ (انعام ۷۵) تاکہ وہ کامل یقین کرنے والوں میں سے ہو جائیں۔

کیونکہ مظاہر قدرت سے ہی حق تعالیٰ کی ذات وصفات کی معرفت حاصل ہوتی ہے جس طرح سورج، چاند اور ستاروں کے طلوع وغروب پر غور و فکر سے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے معرفت الٰہی حاصل کی۔

دعوت قرآن | قرآن کریم کی اس دعوت سے سائنس کی ضرورت اور اہمیت واضح ہو جاتی ہے۔ کیونکہ سائنس اس علم کا نام ہے جو مظاہر قدرت کے مطالعہ و مشاہدہ سے حاصل ہوتا ہے اس کے ذریعے نایاب معلومات حاصل ہوئی ہیں، مثلاً سائنس کے ذریعے ہی پتہ چلا کہ ہماری قریب ترین کہکشاں جو رات کو ہمیں دودھیا راستے کی شکل میں دکھائی دیتی ہے وہ قریباً سو ارب ستاروں کا مجموعہ ہے جس کا سورج ایک ستارہ ہے اور سورج اپنی ہولناک جسامت کے باوجود کہکشاں کے مقابلے میں ایک ذرہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ اور سورج کے مقابلے میں ہماری زمین بالکل ایسی ہے جیسے سمندر کے مقابلے میں ایک قطرہ۔ یا صحرا کے مقابلے میں ایک ذرہ۔ اس سورج کا پیٹ اتنا بڑا ہے کہ اس کے اندر ہمارے جیسے لاکھوں کرۂ ارض سما سکتے ہیں۔ غرض کہ مظاہر قدرت خواہ مادی ہوں خواہ حیاتیاتی، نفسانی ہوں یا جسمانی۔ ان کے مطالعہ و مشاہدہ اور ان پہ تدبر و تفکر سے ہی اسرار کائنات منکشف ہوتے ہیں۔ اہل ایمان تو خدا کے ہر فرمان اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر ارشاد گرامی پر بلا چون و چرا ایمان لے آتے ہیں۔ مگر کفار چونکہ ایمان بالغیب لانے سے انکار کرتے ہیں اس لئے قادر مطلق کا ہمیشہ یہ دستور رہا ہے کہ جو جس حقیقت کا منکر ہوتا ہے اس کے ہاتھ سے ویسی چیز تیار کرا کر اس پر حجت تمام کر دی جاتی ہے۔

اتمام حجت | ۱۔ منکرین اس بات کا مذاق اڑاتے رہے کہ قیامت کے دن مولا کریم انہیں وہ سب کچھ دکھا دیں گے جو وہ دنیا میں کرتے رہتے ہیں۔ مگر صنعت فلم سازی کے ذریعے منکرین پر یہ حقیقت واضح کر دی گئی کہ جس طرح ایک اداکار اپنی برسوں کی اداکاری دو تین گھنٹوں کی فلم میں بچشم خود دیکھ سکتا ہے بالکل اسی طرح منکرین کو ان کے دنیوی اعمال کی کراماً کاتبین کی فلم بروز قیامت دکھا دی جائے گی۔

۲۔ منکرین اس امر سے بھی منکر ہیں کہ بروز قیامت خود ان کے اعضا ان کے خلاف گواہی دیں گے۔ مگر ان کے ہاتھ کے ہاتھ کے تیار کردہ ٹیپ ریکارڈر ایسے حالات خود ان کی کی ہوئی باتیں ان کے لب و لہجہ میں من وعن جس طرح سنا دیتے ہیں بالکل اسی طرح منکرین کے اعضا اپنے تمام کاموں کی تفصیل بزبان خود بحکم خدا بیان کر دیں گے۔

۳۔ منکرین ارشاد نبوی کے بھی منکر ہیں۔ کہ نماز با جماعت میں جب امام والضالین اور مقتدی آمین کہتے ہیں تو

یہ آواز چشم زدن میں آسمانوں تک پہنچ جاتی ہے۔ مگر اب انہوں نے خود اپنے ہاتھ سے تیار کردہ آلات [illegible] کے ذریعہ دیکھ لیا کہ ہزاروں اور لاکھوں میلوں سے نشر ہونے والی خبریں اور پیغامات ہوائی لہروں کے ذریعے دنیا کے ہر گوشہ میں بلا تاخیر ثانیہ سنے جاتے ہیں بالکل اسی طرح امام و مقتدی کی والضالین اور آمین چشم زدن میں آسمان تک پہنچتی رہتی ہے۔ بلکہ ایک خلاباز نے خلا میں اذان کی آواز بھی سنی جو بعد میں مسلمان ہوگیا۔

۴۔ منکرین معجزہ شق القمر کے بھی منکر ہیں مگر اب انہوں نے آسمان پر پہنچ کر اس کے عین وسط میں دراڑ بچشم خود دیکھ لی جو قرآن کی بیان کردہ اس حقیقت کی بزبان حال شہادت دے رہی ہے جسے ناسا کے خلائی [ماہرین] نے عرب دراڑ کا نام دیا ہے۔

دورِ حاضر کی یہ ایجادات بزبانِ حال خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ان فرمودات کی تائید کر رہی ہیں جو علوم فلکیات اور اتمام احتساب کے متعلق قرآن کریم نے بیان کئے ہیں۔ منکرین مظاہر قدرت کا مشاہدہ کے بعد خدا پر ایمان لائیں یا نہ لائیں لیکن منکرین کی چاند پر آمد و رفت سے مندرجہ ذیل مزید حقائق قرآنی کی توثیق ہوگئی ہے جو انسان کے لئے درس بصیرت کی حیثیت رکھتے ہیں۔

قرآنی حقائق | ۱۔ ارشاد ربانی ہے کہ بالتحقیق ہم نے آسمانِ دنیا کو ستاروں سے آراستہ کر رکھا ہے

وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيحَ

یونانی حکما کہتے تھے کہ یہ چاند اور ستارے آسمانوں میں اس طرح جڑے ہوئے ہیں جس طرح نگینہ انگوٹھی میں۔ خلابازوں نے چاند کے گرد چکر لگا کر اور چاند کے اوپر چڑھ کر بچشم خود چاروں طرف نظر دوڑا کر یونانی نظریہ کی تردید کرتے ہوئے قرآنی بیان کی تصدیق کر دی کہ چاند اور ستارے آسمان سے نیچے خلا میں بالکل اسی طرح گردش میں ہیں جس طرح یہ کرۂ ارضی فضا میں گردش کر رہا ہے۔

۲۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے کہ:

وَمِنْ آيَاتِهِ خَلْقُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَثَّ فِيهِمَا مِن دَابَّةٍ (شوری ۲/۲۵)

اس کی نشانیوں میں سے زمین و آسمان کا پیدا کرنا ہے اور ان جانداروں کا جو اس نے زمین و آسمان میں پھیلائے۔ اس خبر قرآنی کی ان خلابازوں نے توثیق کر دی جو دوسری دفعہ چاند کی سیر کر کے واپس آئے ہیں انہوں نے خلا میں بگوش ہوش ایک مخلوق کی خوفناک چیخ و پکار سن کر از حد خطرہ محسوس کیا۔ اور اس سے فی الفور اہل [زمین] کو باخبر کیا۔ اس کی تائید مزید کیلی فورنیا کے ماہر کیمسٹری ڈاکٹر بی نشل کے اس بیان سے ہوتی ہے کہ امریکی کے جہاز نمبر ۷ نے مریخ کے متعلق جو اطلاعات بہم پہنچائی ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ اس سیارہ میں زندگی پائی جاتی۔

(صدقِ جدید ۲۳ر اگست ۱۹۶۹ء)

قرآنِ کریم کی رُو سے اَللّٰہُ قَوِیٌّ وَ بَاطِنٌ کہ اللہ بڑی قوت والا اور چھپ کر رہتا ہے۔
روسی خلابازوں کی واپسی پر کمیونسٹ آمر خروشیف نے کہا تھا کہ:۔
"ہم سیاروں تک ہو آئے ہیں لیکن خدا کو کہیں نہیں پایا"
مگر امریکی خلاباز جان گلین نے اسے اپنے جہاز کے قطب نما میں پا لیا۔ جس کا بیان مفصل امریکی جرائد میں
ئع ہوا۔ وہ لکھتا ہے کہ:۔

"سائنسی اصطلاحات و پیمانوں میں خدا کی پیمائش ناممکن ہے۔ مذہبی اور ایمانی قوتوں کو نہ دیکھا جا سکتا ہے اور نہ چھوا جا سکتا ہے۔ یہ ایک ناقابلِ فہم اور غیر محسوس شئے ہے اسی طرح ہمارے جہاز کے قطب نما کو جو قوت متحرک رکھتی ہے وہ بھی ہمارے حواس خمسہ کے لئے ایک کھلا چیلنج ہے کیونکہ اسے نہ ہم دیکھ سکتے ہیں نہ سُن سکتے ہیں نہ چھُو سکتے ہیں اور نہ سونگھ سکتے ہیں۔ حالانکہ نتائج کا ظہور اس کا واضح دلالت کر رہا ہے کہ یہاں کوئی موجود ہے"

۴۔ قرآن میں متعدد مقامات پر رب المشارق والمغارب اور رب المشرقین والمغربین کے الفاظ آئے ہیں
سے صاف عیاں ہے کہ ہمارے اس چھوٹے سے ارضی سیارہ کے علاوہ اور بھی ایسے سیارے موجود ہیں جو مشرق
ب رکھتے ہیں۔ سائنس نے اب ان کا وجود ثابت کر دیا ہے۔ کہ کہکشاں ایک ایسا مجموعہ نجوم ہے جس کا سورج
ے ستارہ ہے۔ جو اس کے مرکز سے باہر کی طرف رہتا ہے اور کہکشاں کے ساتھ ساتھ گردش کرتا رہتا ہے لیکن
ا سورج اپنی ہولناک جسامت کے باوجود کہکشاں کے مقابلے میں ایک ذرہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ ہمیں
ں سے صرف ایک سورج اور ایک کہکشاں نظر آتی ہے۔ مگر چاند گلین چاند کی سیر سے واپس آنے کے بعد خبر
ا ہے کہ" ہماری اس کہکشانی نظام کی کوئی انتہا نہیں کیونکہ اس سے پرے دسیوں لاکھ دوسرے کہکشانی نظام
جود ہیں۔ جو سب کے سب ایک تخیلی رفتار پر ایک دوسرے سے خاص تناسب سے حرکت کر رہے ہیں" اس
ح سائنس نے مذکورہ بالا قرآنی حقائق کی توثیق کر دی ہے۔

چاند کا حُلیہ | ۵۔ شیخ عبدالنبی نے اپنی بصیرت اور فراست کی بنا پر اپنی کتاب دستور العلماء میں چاند کا
لیہ درج کیا ہے ؎

القمر کوکب لیلی۔ ازرق۔ مائل الی السواد۔ مظلم۔ غیر نورانی کثیف
چاند رات کا ایک ستارہ ہے۔ مٹیالا نیلگوں، سیاہی مائل۔ تاریک۔ بے نور
الی النور عنہ بالمحاذاۃ
جو اپنے مقابل والے غیر سے روشنی حاصل کرتا ہے

حیرت ہے مولانا موصوف کی نظر پر کہ انہوں نے زمین پر سے چاند کو جیسا پایا سب سے پہلے اترنے والے خلا باز نیل آرمسٹرانگ نے بھی چاند کو ویسا ہی پایا جس کا بیان ہے کہ

"چاند پوڈر کی طرح خوبصورت ہے۔ میرے جوتے کے سول میں کوئلہ کے پوڈر کی طرح شے لگ گئی ہے۔ پہلی بار یہ ایک ملائم سطح معلوم ہوئی اب یہ سخت محسوس ہوتی ہے"

گویا اس نے بھی چاند کا رنگ، اس کی کثافت اور حالت قریباً قریباً ویسی ہی پائی جیسی شیخ موصوف نے اپنی روحانیت کی بنا پر لکھی۔

۶۔ قرآن کریم کا اعلان ہے۔

ملک السموات والارض یحی ویمیت (حدید پ۲۷)

زمین اور آسمانوں میں اسی کی حکومت ہے۔ اور وہی جلاتا اور مارتا ہے۔

قمری مشاہدات کی بنا پر ایک تازہ فلکیاتی طبقاتی مقالہ میں بتایا گیا ہے کہ

"ہمیں جو کہکشاں نظر آتی ہے اس جیسی بے شمار کہکشائیں خلا میں موجود ہیں۔ جن میں نئے نئے ستارے جنم لیتے رہتے ہیں اور پرانے ستارے دم توڑتے رہتے ہیں"

جس سے ثابت ہوتا ہے کہ موت وحیات کا سلسلہ وہاں بھی اسی طرح وسیع پیمانے پر جاری ہے۔ جس طرح دنیا کی دوسری مخلوق پیدا اور فنا ہوتی رہتی ہے۔

سائنسی مشاہدات کی بنا پر منکرین کے اعتراضات و توثیقات ارباب فکر و نظر کے لئے سرمایہ بصیرت کی حیثیت رکھتے ہیں۔ کہ سائنس کس طرح قدم قدم پر آیات اللہ کی تائید و تصدیق کے سامان پیدا کر رہی ہے ابھی تو اس ڈرامہ کا آغاز ہوا ہے آگے آگے دیکھیے ہوتا ہے کیا۔

لطف کی بات یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے تو درس بصیرت حاصل کرنے کے لئے تسخیر کائنات کی دعوت دی مگر سوپر طاقتیں دوسرے ستاروں پر اپنی اپنی کالونیاں قائم کرنے کے لئے ایک دوسرے سے سبقت حاصل کرنے کے لئے کوشش کر رہے ہیں ع

بہ بیں تفاوت راہ از کجا تا بہ کجا

مضمون نگار حضرات سے التماس ہے کہ مضمون کاغذ کے ایک طرف سیاہی سے تحریر فرمائیے اور ہر صفحے کا حاشیہ اسی صفحے پر تحریر کیجیے۔

(ادارہ)

حضرت مولانا مفتی محمد فرید صاحب مفتی اعظم دارالعلوم حقانیہ

بیمہ کی شرعی حیثیت

سوال۔ بیمہ کی شرعی حیثیت کیا ہے حلال ہے یا حرام ہے؟ فضل امین

جواب۔ بیمہ حرام ہے۔ بیمہ کا یہ دلفریب اور سبز باغ محرّمات شرعیہ سے بھرپور ہے۔ اس میں سود، غیر شرعی شرائط، دھوکہ دہی نمایاں طور سے موجود ہیں۔

حرمت اول۔ بیمہ کمپنی جو رقم بیمہ داروں سے اکٹھا کرتی ہے نہ یہ وقف ہے اور نہ ہبہ۔ بلکہ شرکت یا قرض حسنہ ہے اور یہ کمپنی اس رقم کو زیادہ تر کاروباری کمپنیوں یا افراد کو سود پر دیتی ہے۔ اور شاذونادر تعمیرات پر خرچ کرتی ہے تو لازمی طور سے تنخواہوں اور حوادثات معہودہ میں زیادہ تر خرچ اس سودی منافع سے ہوگا۔ صرف تعمیرات کے منافع ان عظیم اخراجات کے پورے کرنے سے عاجز ہیں۔ پس بہرحال بیمہ کاری میں تعاون علی المعصیت موجود ہے جو کہ نص قرآنی کی بناپر حرام ہے۔ قال اللہ تبارک وتعالیٰ ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان۔

نیز بیمہ کاری میں اس ناجائز تعاون کے علاوہ سود خوری کی دوسری نوعیت بھی موجود ہے۔ کیونکہ اگر یہ ثابت ہوجائے کہ یہ رقم بیمہ دار نے بہ طور قرض حسنہ کے جمع کی ہے تو اس بیمہ دار کو جو زائد رقم کسی وقت دی جاتی ہو سود ہوگا قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کل قرض جر نفعا فہو حرام (رواہ الحارث بن محمد فی مسندہ و روی البخاری فی صحیحہ وفی تاریخہ مایدل علیہ)

حرمت دوم۔ جب بیمہ دار قسط اول کی ادائیگی کے بعد ناداری یا دینداری کی وجہ سے قسط دوم کی ادائیگی نہ کرے تو یہ کمپنی اس کی قسط اول سوخت کرتی ہے جو کہ امانت یا قرض کا غصب ہے۔ اور صریح ظلم ہے۔ اور بیمہ دار بننے کے وقت اس شرط کا لگانا غیر شرعی اشتراط ہے۔

حرمت سوم۔ جیساکہ کبھی بیمہ دار اپنی جائیداد کی مالیت ظاہر کرکے کمپنی کو دھوکہ دیتا ہے اور کبھی زوال یافتہ بیمہ شدہ مال کو ہلاک کرکے کمپنی سے پوری رقم وصول کرتا ہے تو اسی طرح یہ کمپنی غیر معمولی منافع کو ہضم کرتی ہے اور بیمہ دار کو چند فیصد پر راضی کرتی ہے نیز یہ کمپنی خطرہ کے وقت خود بچ جاتی ہے اور خمیازہ پوری قوم بھگتتی ہے۔ فہو الموفق

محمد فرید عفی عنہ

خادم دارالافتاء والحدیث بدارالعلوم الحقانیہ

ہڑپا سے برآمد ہونے والا ایک منقش مٹکا

مولانا مفتی غلام الرحمٰن صاحب مدرس دارالعلوم حقانیہ

حقانیہ سے ازھر تک

میرے اس بیرونِ ملک سفر کے لئے خدا کا فضل وکرم، دارالعلوم حقانیہ کی برکت حضرت شیخ الحدیث صاحب دامت حیاتہ کی بابرکت دعائیں، حضرت العلامہ استاذنا المحترم مولانا سمیع الحق صاحب کی خصوصی شفقت، اور برادرم حضرت مولانا عبدالقیوم حقانی کی مخلصانہ رفاقت اسباب بنے۔

ورنہ مجھ جیسے جاہل کا نہ تو علمی دنیا میں کوئی کارنامہ تھا جس کی وجہ سے میرا انتخاب ہوتا اور نہ میرے کوئی ایسے تعلقات تھے جس کو میں بروئے کار لاکر ایسی سعادتوں کو حاصل کرسکتا۔ مادرِ علمی دارالعلوم حقانیہ اور اس کے بانی ومہتمم حضرت شیخ الحدیث مدظلہ سے نسبت تلمذ، حصولِ دعا، اور فیضِ صحبت کی برکت سے یہ اسباب پیدا ہوئے۔

سفر کی نوعیت | ہمارا یہ سفر اس لحاظ سے عجیب اور دلچسپ سفر رہا جس میں کسی بھی ہمسفر کو ابتداء سے منزلِ مراد کا علم نہیں تھا۔ کوئی بھی اس سے واقف نہیں تھا کہ اس نے تین ماہ کے لئے مصر جاکر وہاں کیا کرنا ہے۔ اور مزے کی بات یہ تھی کہ متعلقہ وزارت یعنی وزارت مذہبی امور کے اہلکار بھی اس اجمالی علم کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں جانتے تھے۔ کہ " یہ ایک سہ ماہی کورس ہے جس کا اہتمام جامعہ ازہر نے کیا ہے"۔

سفر کی غرض وغایت سے ناواقفیت کی بناپر ہمارے بعض دوست تو بڑے اونچے اونچے خیالات لے کر ہمارے ساتھ سفر میں شریک ہوئے۔ اندرون ملک اپنے اہم مناصب اور ذمہ داریوں کو چھوڑ کر تین ماہ کے لئے عازم سفر ہوئے۔ اس میں وہ احباب بھی شامل تھے جنہوں نے قبل ازیں سرزمین مصر کو سرکاری مہمان کی حیثیت سے دیکھا تھا۔ قاہرہ اور اسکندریہ کے پرتکلف ہوٹلوں میں رہنے کی یاد کو تازہ کرنے کی غرض سے کہولت کے ایام میں سفر کے لئے تیار ہوئے۔ کچھ دوست ایسے بھی تھے جو کسی وقت سعودی عرب میں "قاضی کورس" میں پچاس دن کے

لئے شریک ہوئے تھے۔ سعودی حکومت کے فیاضانہ سلوک کی بنا پر اعلیٰ ضیافتوں کے علاوہ ہزاروں ریال سے ان کی خاطر تواضع کی گئی تھی۔ یہ سادہ لوح احباب بھی غلط فہمی کے شکار ہوئے۔ اور مصر کو سعودی عرب کی شب برات میں سمجھنے لگے۔

علاوہ ازیں کچھ ایسے دوستوں کی رفاقت بھی نصیب ہوئی جو آخر عمر اور پیرانہ سالی کے علاوہ دنیاوی کاروبار میں مستغرق ہونے کی وجہ سے پانچ منٹ کے لئے یکسوئی اور خلوت کا موقعہ نہ پا سکتے۔ لیکن شباب کے کچھ ایام میں یورپ کے مسلم تنظیموں کی دعوتوں پر دیارِ غیر سے واقف ہوئے تھے۔ ان رفقاء کے اذہان میں ان تنظیموں کا وہی اکرام و اعزاز وہی آرام اور وہی مراعات راسخ تھے۔ اس لئے حکومت مصر کی دعوت پر لبیک کہنے میں کوئی تاخیر نہیں کی۔ بلکہ وفد میں شمولیت کو اپنے تعلقات اور مراسم کے لئے بطور ایک نظیر کے پیش کرتے۔ چنانچہ دوبئی سے آگے اس سفر کے دوران ایک دوست میرے قریب آکر ساتھ والی سیٹ پر بیٹھ کر فرمانے لگے۔

" مولانا مجھے یقین ہے کہ یہ دورہ ہمارا بہت کامیاب رہے گا۔ اگرچہ قبل ازیں بھی میں مصر آیا ہوں۔ لیکن اس وقت حکومت مصر سے ہمارے ملک کے اچھے مراسم ہیں۔ وہاں مصر میں سفیر پاکستان راجہ ظفر الحق صاحب کی موجودگی اور کچھ دیگر اسباب کی وجہ سے ہمیں کسی اچھے ہوٹل میں ضرور ٹھہرائیں گے۔ سیر و تفریح کے لئے گھومنے پھرنے کا بھی باقاعدہ انتظام ہو گا۔"

کافی وقت تک ادیبانہ رنگ میں اس دوست کی یہ تقریر میں سنتا رہا۔ میں نے بذاتِ خود اس سفر کے متعلق اتنے بڑے خیالات نہیں سوچے تھے۔ بلکہ استاذِ محترم حضرت مولانا سمیع الحق صاحب کا یہ جملہ میرے ذہن میں مستحضر رہا کہ :۔

" مصر جاکر تمہیں طالب علموں کی زندگی گذارنی ہو گی۔ تم لوگ طالب علم بن کر یہاں سے جا رہے ہو۔"

الحمد للہ! استاذ محترم بیرونِ ملک کافی اسفار کر چکے ہیں۔ اور سفرِ مصر تو ان کا یادگار سفر ہے۔ اچھا تجربہ ہونے کی بنا پر ان کا یہ جملہ پورے سفر میں میرے لئے حوصلہ افزائی اور رہنمائی کا کام دیتا رہا۔ اور حقیقت بھی یہی ہے کہ یہ سفر میرے لئے بالکل طالب علمانہ سفر رہا۔

جامعہ ازہر کے بیرونی طلباء (وافدین) کے لئے متعینہ ہوسٹل " مدینۃ البعوث الاسلامیہ" میں جب ہم پہنچے انتظامی امور کے پیشِ نظر متعلقہ حکام جب ہمیں مخصوص بلڈنگ (عمارہ) لے گئے تو شرکاء سفر اس عمارہ کو عارضی آرام گاہ سمجھنے لگے۔ بلند ارادے اور اونچی توقعات کے ہوتے ہوئے جب ان حضرات کو یقینی طور پر یہ معلوم ہوا کہ دورہ کی سہ ماہی مدت یہیں گذارنی ہو گی۔ تو ان دوستوں کی حالت غیر ہو گئی۔ لمبی تمنائیں اور آرزوئیں جب خاک میں مل گئیں تو معلوم نہیں اندرونی کیفیت کیا اور کتنی اضطراب انگیز ہو گی۔ جب کہ بظاہر حالت یہ رہی کہ عصر کی نماز کے لئے جب ہم

مدینۃ البحوث کی جامع مسجد میں گئے تو بعض احباب نماز میں قصر کا ارادہ کرنے لگے۔ ان کو یقین ہوگیا کہ تین مہینوں کے یہاں ٹھہرنا ابھی مشکل ہے۔ جب رہنا ہی نہیں تو اقامت کی نیت کیسے کریں لہذا قصر پڑھنی چاہیے۔

سفر کے مقاصد | قاہرہ جاکر اس سفر کے مقاصد سے ہم واقف ہوئے۔ جمہوریہ عربیہ مصر میں جامعہ ازہر کو مذہبی یونیورسٹی ہونے کی وجہ سے ایک اہم مقام حاصل ہے۔ امام وخطیب جس کا جامعہ ازہر سے تحصیل علم اور فاضل وصاحب سند ہونے کا رشتہ نہ ہو اس کے لئے مشکل ہے کہ کسی مسجد میں امامت وخطابت کا فریضہ ادا کر سکے۔ یہی وجہ ہے کہ جامعہ ازہر خود خطباء اور ائمہ کرام کی تربیت میں ہمیشہ کوشاں رہتا ہے۔ اسی بناء پر جامعہ نے ملکی خطباء اور ائمہ کے لئے ایک کورس کا اہتمام کیا جس میں سرکاری خطباء منبر سے شریک ہو کر مستفید ہوتے رہتے۔ وقفے وقفے سے یہ کورس چند مہینے جاری رہتا۔ خطباء اور ائمہ دور دور کے محافظات سے اس کورس میں شرکت کے لئے سفر اختیار کرتے۔ ملکی سطح پر کورس کی کامیابی، فوائد اور اچھے تاثرات کو دیکھ کر جامعہ ازہر نے کورس کا یہ سلسلہ وسیع کر دیا۔ اور اس کا دائرہ دیگر اسلامی ممالک تک بڑھا دیا۔

شعبہ "اللجنۃ العلیا للدعوۃ الاسلامیہ" نے اس کورس کی نگرانی اور جملہ امور کی ذمہ داری قبول کی۔ اس کورس کا نام انہوں نے "دورہ تدریبیہ للائمہ والوعاظ والدعاۃ" رکھا۔ بیرونی ممالک کے ائمہ اور خطباء کے لیے آنے جانے کے ہوائی ٹکٹ کے علاوہ وہاں پر قیام وطعام اور پچاس پونڈ (جنیہ) بطور جیب خرچ کی ادائیگی کے لئے جامعہ ازہر ہی ذمہ دار ٹھہرا۔

اس دورہ میں متعدد اسلامی ممالک کے ائمہ اور خطباء مصر کی حکومت کی دعوت پر شریک ہوئے۔ ان ممالک میں ایشیا سے پاکستان، ملائشیا، برونائی اور افریقہ سے لائبیریا۔ نائیجیریا اور سینیگال کے ائمہ وخطباء شریک ہوئے۔ عجیب سا منظر نظر آیا۔ ایک طرف پاکستانی علماء کرام وضع وقطع میں مذہب پسندی ظاہر کرتے ہوئے شلوار اور کرتہ کے علاوہ پاکستانی علماء کے مخصوص لباس میں نظر آئے جب کہ ملائشیا اور برونائی کے علماء پینٹ وپتلون پہن کر صف ائمہ وخطباء میں شامل ہوتے۔ افریقہ کے علماء پینٹ وپتلون کے علاوہ خاص محفل اور مجالس میں بغیر آستینوں کے لمبے لمبے کرتے پہنے نظر آئے۔

اس کورس کا بنیادی مقصد ائمہ اور خطباء کو تربیت دینا تھا۔ منصب امامت وخطابت کا احساس دلاکر علماء کو اپنے فریضۂ منصبی کی یاد دہانی کرانی تھی۔ اس کورس میں اساتذہ نے کوئی خاص علمی مسائل نہیں چھیڑے اور نہ کسی خاص مسئلہ کی تہہ میں جانا مناسب سمجھا۔ بلکہ واعظانہ اور خطیبانہ رنگ میں متعلقہ موضوع پر بحث کرتے۔ جن موضوعات کو کورس میں بحث کے لئے متعین کرتے اساتذہ کے حوالے کیا گیا تھا وہ مندرجہ ذیل تھے:۔

الاستشراق واہدافہ　　نشاۃ المذاہب　　التبشیر واہدافہ

باقی صفحہ ۵۹ پر

ادارہ
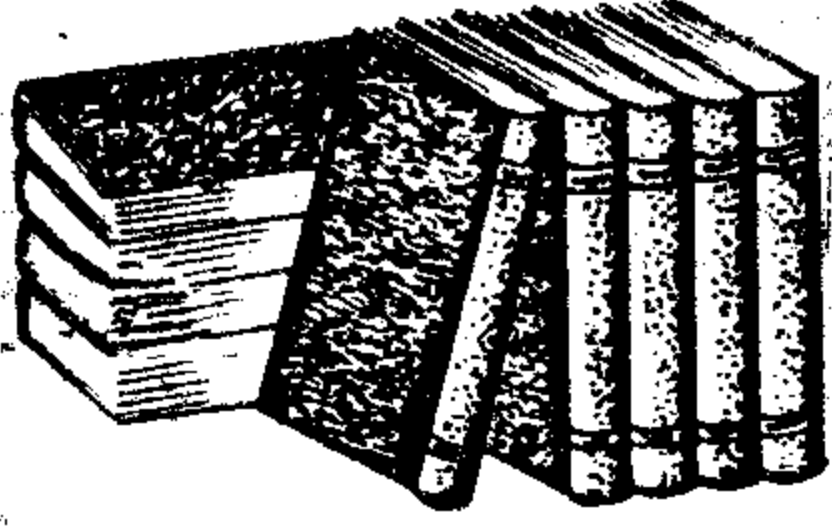
تبصرۂ کتب

خطوط ماجدی | مرتب۔ ڈاکٹر ابو سلمان شاہ جہان پوری۔ صفحات ۲۷۲۔ قیمت ۶۰ روپے
ناشر ادارہ تصنیف و تحقیق پاکستان۔ علی گڑھ کالونی۔ کراچی ۴۱

مولانا عبدالماجد دریا آبادی برصغیر کی عظیم علمی و ادبی شخصیت تھے۔ تفسیر، تاریخ، ادب، فلسفہ اور صحافت کونسا شعبہ ہے جس میں موصوف سباق الغایات نہ ہوں۔ تمام خوبیوں اور کمالات و اوصاف کا احاطہ ناممکن، خطوط ماجدی پیش نظر ہے۔ مولانا دریا آبادی اردو کے عدیم المثال ادیب اور انشا پرداز تھے۔ زبان پر عبور اور اس کی باریکیوں پر نظر تھی۔ الفاظ کے جوہر شناس تھے۔ طنز کے بادشاہ تھے۔ ان کی ادبی تحریروں میں بہت بڑا حصہ خطوط کی شکل میں موجود تھا جو انہوں نے اپنی زندگی میں اپنے بزرگوں، چھوٹوں اور ہمعصر ساتھیوں کو لکھے ڈاکٹر ابو سلمان تمام ادبی حلقوں سے شکریے کے مستحق ہیں کہ انہوں نے موصوف کے خطوط کے تیسرے مجموعے کو بہ شاندار طریقہ سے مرتب کیا۔ اور ایک وقیع مقدمہ کے ساتھ طبع فرمایا۔

مولانا دریا آبادی کا خاص اسلوب اور مخصوص طرز تحریر اور خط نویسی کا انوکھا انداز، ادبی حلقوں اور ادبی ذوق رکھنے والے احباب کے لئے ایک گراں قدر تحفہ ہے۔ قیمت اگر موزوں ہوتی تو طالب علم برادری بھی زیادہ سے زیادہ فائدہ حاصل کر سکتی۔ (غ ق ح)

اردو کا ادیب اعظم | تصنیف مولانا عبدالماجد دریا آبادی صفحات ۱۴۰۔ قیمت درج نہیں۔
ناشر۔ ادارہ تصنیف و تحقیق ۱۸۰۶۔ کراچی ۳۳

ڈاکٹر ابو سلمان صاحب نے مولانا دریا آبادی کی ان تمام تحریروں کو جو انہوں نے اپنی کسی تصنیف، مکتوب یا صدق جدید میں مولانا ابوالکلام آزاد کے متعلق لکھے تھے یک جا جمع کر کے اردو کے ادیب اعظم کے عنوان سے شائع کر دیا ہے۔ تحریر کا معیار اور ادبی لطافتوں کے لئے مولانا دریا آبادی کا نام ضمانت ہے۔ مضامین کی بلندی اور مفہومات اور معانی کی اہمیت کے لئے مولانا ابوالکلام بحیثیت عنوان بذات خود جاذب نظر اور دعوت مطالعہ ہے

ز نظر تصنیف ادبی حلقوں میں مقبول اور قدر کی نگاہ سے دیکھی جائے گی۔ اسی ادارہ سے برائے تبصرہ دو اور کتابیں بھی
موصول ہوئیں۔ مولانا ابوالکلام آزاد از ڈاکٹر شیر بہادر خان پنی۔ ابوالکلام آزاد از عبداللہ بٹ دونوں کتابیں ۱۵۰
سے زائد صفحات پر مشتمل ہیں۔ ادبی اور تاریخی لحاظ سے دونوں کا معیار بلند ہے۔ اردو ادب میں بہترین اضافہ
ارباب ذوق ان کی قدر کریں گے تاہم ٹائٹل پر تصاویر کی نمائش نے کتابوں کی معنویت اور روحانی اہمیت کو کم کر دیا ہے (ع ح ق)

مفید الواعظین (پشتو) | تصنیف مولانا رشید احمد حقانی۔ صفحات ۲۸۵۔ قیمت ۱۲ روپے۔ پتہ مولانا رشید احمد حقانی
دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک پشاور۔ پیش نظر کتاب مولانا رشید احمد حقانی کے پشتو سلسلۂ تصنیف کا نقش ثالث ہے موصوف
دارالعلوم کے فاضل، مدرس اور مفتی اعظم مولانا محمد فرید صاحب کے برخوردار ہیں۔ مفید الواعظین میں مختلف موضوعات، تبلیغی و اصلاحی
عنوانات، اصلاح معاشرہ اور انسانی ضرورت کے مختلف پہلوؤں پر علمی اصلاحی اور تبلیغی طریقے سے مواعظ جمع فرمائے ہیں کتاب کے
آخر میں مسئلہ سماع الموتیٰ حیات الانبیاء اور مسئلہ تقدیر بھی ایک رسالہ کی شکل میں منسلک ہے جو پشتو حلقوں میں مقبول مفید اور
نافع ثابت ہو رہے ہیں خدا کرے کہ موصوف انہیں اردو میں بھی منتقل کر دیں تاکہ افادہ عام ہو اور زیادہ سے لوگ نفع اٹھا سکیں (ع ح ق)

بقیہ: صـ ۵۷

الحدیث النبوی — العقیدہ — مقارنۃ الادیان

خطابت عملی — التصوف — علوم الحدیث

ثقافت الاسلامیہ — مذاہب وتیارات ہدامہ — علوم القرآن — خطابت نظری

ان موضوعات پر اساتذہ کرام مخصوص انداز میں بحث فرماتے۔ ازہری ہونے کی حیثیت سے موضوع پر عبور کا
اظہار کروانے کے لئے جمہور کی رائے کو رد کر کے خود اپنی رائے منصفانہ رنگ میں پیش کرتے۔ جیسا کہ اس پر آئندہ
اوراق میں ان شاء اللہ تفصیل سے عرض کروں گا۔

مذکورہ موضوعات میں سے جن موضوعات پر اہمیت سے بحث ہوتی رہی۔ ان میں سے ایک موضوع "استشراق"
تھا۔ مصر خود کافی مدت تک استعمار کا شکار رہا۔ بلکہ اب بھی مصر میں کافی عیسائی رہ رہے ہیں۔ اس لئے مصری
مسیحیت سے کافی واقفیت رکھتے ہیں۔ مصر میں عام مسلمان بھی مسیحوں کے مذہب اور اسلام کے خلاف انکی نامراد
سازشوں کے متعلق معلومات سے کافی دلچسپی رکھتے ہیں۔ اس لئے بحث میں زیادہ تر اسی موضوع "التبشیر والاہدافہ" اور
استشراق وغیرہ کو اختیار کیا گیا۔ "دورہ تدریبیہ" کے شرکاء کو اس موضوع پر واقفیت کے لئے ایسے اشخاص اور ڈاکٹر متعین
کیا گیا ہے جو خود بھی اس میدان کارزار کے نگہبان رہے۔ بعد میں اللہ نے نور ایمان سے ان کے دلوں کو منور فرمایا
چونکہ یہ دورہ خطباء اور ائمہ کے لئے تھا اس لئے دوسرے نمبر پر ان موضوعات میں "خطابت" کو زیادہ اہمیت دی گئی تھی۔

(جاری ہے)
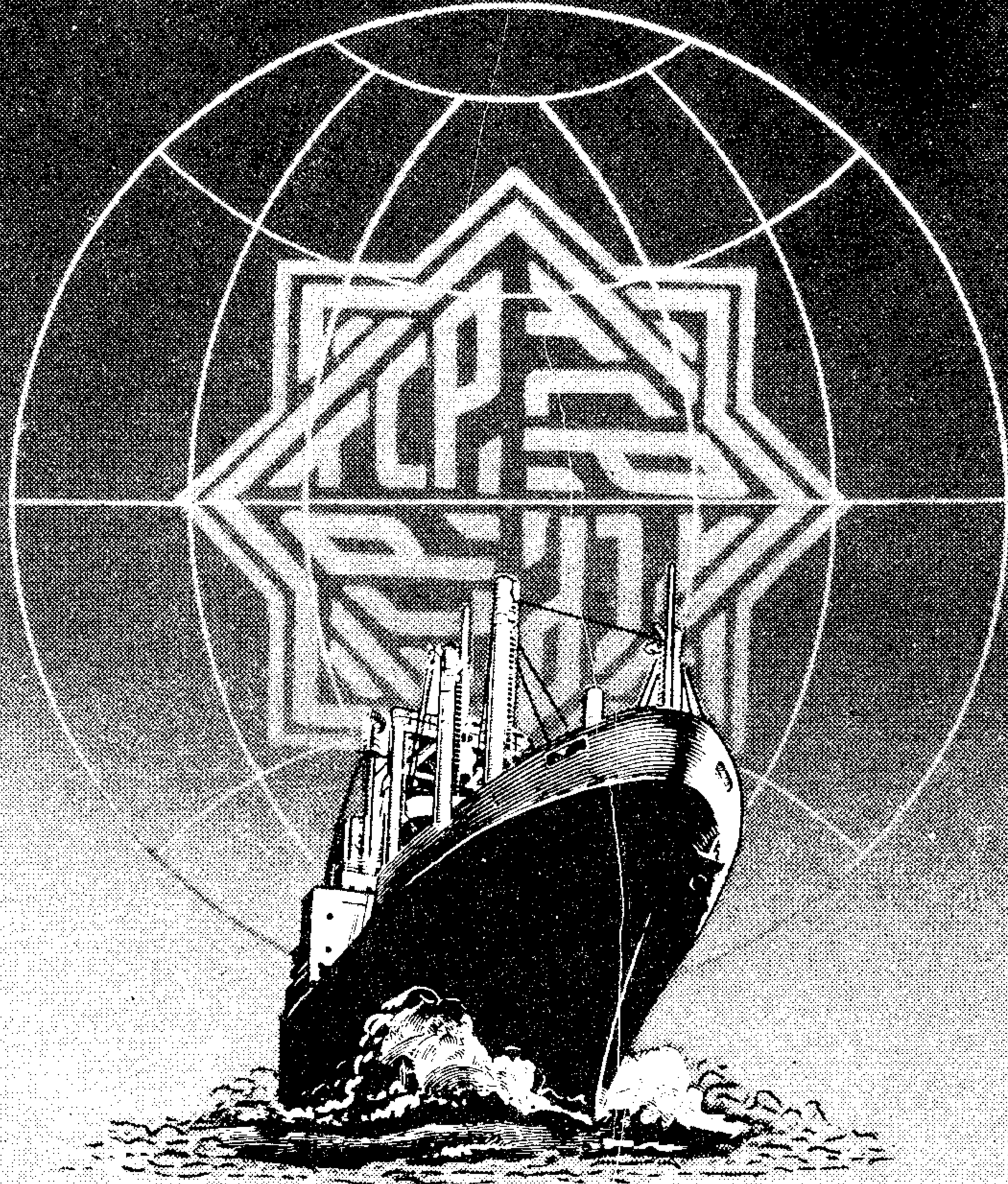
مؤتمر المصنفین کی علمی و تحقیقی

اور

عظیم تاریخی پیشکش

دفاعِ امام ابوحنیفہؒ

پیش لفظ ــــ جناب مولانا سمیع الحق مدیر الحق

تصنیف ــــ مولانا عبدالقیوم حقانی رفیق مؤتمر المصنفین و استاد دار العلوم حقانیہ

ــــــــ جس میں ــــــــ

حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کی

سیرت و سوانح ــــ درس و افادہ ــــ علمی و تحقیقی کارنامے ــــ تدوینِ فقہ و شرائع
قانونی کونسل کی سرگرمیاں ــــ محدثانہ جلالت قدر ــــ دلچسپ مناظرے ــــ حجیتِ اجماع
و قیاس پر اعتراضات کے جوابات ــــ حنفی تاریخ کے حیرت انگیز واقعات ــــ
نظریۂ انقلاب و سیاست ــــ وصایا اور نصائح ــــ فقہ حنفی کی قانونی حیثیت و جامعیت

ــــ اور ــــ

تقلید و اجتہاد کے علاوہ قدیم و جدید اہم موضوعات پر سیر حاصل تبصرے جو علماء، طلباء، خطباء
قانون دان، مبلغین، سکول و کالج کے طلبہ و اساتذہ، دینی مدارس کے مدرسین، مصنفین، علمی و تحقیقی
اور مطالعاتی اداروں اور عام لکھے پڑھے احباب کیلئے یکساں طور پر مفید اور ایک گرانقدر علمی تحفہ ہے

معیاری کتابت، بہترین طباعت، عمدہ کاغذ، دیدہ زیب ٹائیٹل

ــــ صفحات ۳۵۲ قیمت ۴۵ روپے

مؤتمر المصنفین دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک (پشاور)

SOHRAB
پاکستان کا
نمبر
1
بائیسکل
سُہراب

ایگل
ایک عالمگیر
قلم
خوشخط
رواں اور
دیرپا۔
اسٹیل
کے
سفید
اریڈیم ٹپڈ
نب کے
ساتھ
EAGLE
ہر
جگہ
دستیاب
EAGLE
IRIDIUM
آزاد فرینڈز
اینڈ کمپنی (پرائیویٹ) لمیٹڈ

PAKISTAN

حکومت پاکستان دفتر چیف کنٹرولر درآمدات و برآمدات اسلام آباد

مورخہ ۲۰/۱۰/۸۶

ایکسپورٹ ٹریڈ کنٹرول

پبلک نوٹس

عنوان: افزائشی نسل کے جانوروں کی برآمد

نمبر ۱۱(۸۶) برآمد I - ایسے ایکسپورٹرز حضرات سے جو درخواستیں پیش کرنے کے روز قابل عمل رجسٹریشن سرٹیفکیٹ باقاعدہ تجدید شدہ برائے سال ۱۹۸۶ ور کھتے ہوں درج ذیل افزائشی نسل کے جانوروں کی برآمد کے لئے درخواستیں مطلوب ہیں کم از کم برآمدی قیمت ایف او بی فی ہیڈ مقررہ کردہ ہیں ہر ایک سامنے درج ہے۔

نمبر شمار	تفصیل جانوروں	ایف او بی فی ہیڈ مقررہ کردہ کم از کم برآمدی قیمت
۱-	افزائشی نسل کے اونٹ	یو ایس $ ۳۰۰ (۲۵۰-/- روپے کی برآمدی ڈیوٹی کے ساتھ
۲.	افزائشی نسل کی بھینس	یو ایس $ ۱۰۰۰/-

۳ - اگر درخواست کردہ جانوروں کی تعداد برآمد کے لئے دستیاب تعداد سے تجاوز کر جاتی ہے۔ تو ڈیپارٹمنٹ ہذا کو حق ہو گا کہ وہ درخواست پر جس طرح چاہے عمل درآمد کرے۔

۳ - ہر ایک درخواست بنک پے آرڈر بحساب ۶٪ کل لاگت ایف او بی کل تعداد ہیڈز نہ درخواست کردہ بطور سیکورٹی کا آنا لازمی ہو گا - اگر غور کرنے کے بعد کسی مخصوص درخواست دہندہ کو کوئی برآمدی کوٹہ ایلوکیٹ نہیں کیا جاتا۔ تو ان کے پے آرڈر واپس کر دیا جائے گا - اگر ایلوکیٹ شدہ ہیڈز کی تعداد درخواست کردہ تعداد سے کم ہو گی ایسی صورت میں ایلوکیٹ شدہ ہیڈز کی تعداد کی نسبت میں رقم رکھ لی جائے گی۔

۴ - اگر ایلوکیٹ شدہ ہیڈز کی کل تعداد یا جزوی تعداد ۱۵/۳/۸۷ تک (توسیع نہیں ہو گی) برآمد نہیں کی جاتی تو ایسی صورت میں سیکورٹی ڈیپازٹ ضبط کر لیا جائے گا۔

۵۔ ایکسپورٹرز حضرات کو کسی بھی مندرجہ ذیل دفاتر سے کیورنٹائن آفیسر شپمنٹ سے پہلے ہیلتھ سرٹیفکیٹ حاصل کرنا ہوگا۔

EXIST POINT	انفارٹی
اسلام آباد	اینمل ہسبنڈری کمشنر یاان کے نامزد
لاہور	کیورنٹائن آفیسر اینمل کیورنٹائن ڈیپارٹمنٹ
کراچی	پرنسپل سائنٹیفک آفیسر
پشاور	کیورنٹائن آفیسر اینمل کیورنٹائن ڈیپارٹمنٹ پشاور
کوئٹہ	ڈائریکٹر جنرل اینمل ہسبنڈری لائیوسٹاک ڈیپارٹمنٹ حکومت بلوچستان کوئٹہ

مندرجہ بالا کے علاوہ دیگر جگہوں سے برآمد کے لئے سینگ/کنفرمیشن سرٹیفکیٹ اینمل ہسبنڈری کمشنر یاان کے نامزد نمائندہ سے جاری کیا جائے گا۔

۶۔ درخواستیں سربمہر لفافوں میں کونر میں تحریر شدہ برآمد .... (جیسی بھی صورت ہو) کے ساتھ متعلقہ کنٹرولرز کوئٹہ/کراچی/لاہور/اسلام آباد/پشاور کو (نام کے ساتھ) ۸۶/۱۱/۱۲ تک پیش کر دیں۔ درخواستیں دیگر کوائف کے علاوہ درج ذیل کوائف پر مشتمل ہوں گی۔

۱۔ برآمدی رجسٹریشن نمبر (مصدقہ فوٹو کاپی منسلک کرنا ہوگی)

۲۔ برآمد کے لئے پیش کردہ افزائشی نسل کے جانوروں کی تعداد

۳۔ کنٹریکٹڈ ایف او بی قیمت فی جانور

۴۔ ملک جسے جانور برآمد کئے جارہے ہوں

۵۔ نمبر اور تاریخ پے آرڈر منسلک کردہ

۷۔ ۸۶/۱۱/۱۲ کے بعد متعلقہ دفتر میں وصول شدہ یا مجوزہ رقم کے پے آرڈر کے بغیر یا فی ہیڈ کم از کم مقرر کردہ قیمت ایف او بی سے کم پیش کردہ قیمت کی صورت میں کوئی درخواست قابل غور نہیں ہوگی۔

(ایم جلال الدین خان)

ڈپٹی کنٹرولر برائے چیف کنٹرولر برآمدات ودرآمدات

F NO. 4 (1) 86-87 (EXP. PY)

PID (I) 1929/12

نیلام دنداسہ

ہر خاص وعام کو مطلع کیا جاتا ہے کہ پانچ ہزار تین سو باسٹھ (۵۳۶۲) کلوگرام دنداسہ (بمعہ باردانہ) مورخہ ۱۴ اکتوبر ۱۹۸۶ء کو بوقتِ گیارہ بجے صبح زیر دستخطی کے دفتر واقع خٹ کلے (نوشہرہ) میں نیلام کی جائے گی۔

خواہشمند حضرات سے التماس ہے کہ وہ مقررہ تاریخ، وقت اور جگہ پر تشریف لاکر نیلام میں حصہ لیں۔

شرائطِ نیلام

(۱) بولی دہندہ کے لیے لازمی ہوگا کہ وہ مبلغ دس ہزار روپے کا کال ڈیپازٹ بنام ڈی۔ الف۔ او پشاور فارسٹ ڈویژن نوشہرہ اپنے ساتھ لائیں۔

(۲) زیر دستخطی کو اختیار ہوگا کہ وہ کسی بھی بولی کو وجہ بتائے بغیر منظور یا مسترد کر دے۔

(۳) کامیاب بولی دہندہ کو کل رقم کا چوتھائی حصہ موقع پر ادا کرنا ہوگا۔

دیگر شرائط نیلام موقعہ پر پڑھ کر سنائی جائے گی۔

المشتہر:

ڈویژنل فارسٹ آفیسر
پشاور فارسٹ ڈویژن
نوشہرہ

(INF (P) 2756)

معیار کی بلند ترین پرواز
ایم ایف ٹی ایم
کے
فیشن فیبرکس
صبا
شرٹنگ
نایاب
بوسکی
ممتاز
پاپلین
بے مثال
لینن
سوغات
شرٹنگ
شاہکار
لان
محمد فاروق ٹیکسٹائل ملز لمیٹڈ
M.F.T.M 4 80
T.T.L.

نمبر الیف ۳-۱۰/۷۹ ایڈمن ایف ڈی ای

حکومت پاکستان، وفاقی نظامت تعلیم

اسامیاں خالی ہیں

نمبر شمار	نام اسامی	عمر کی حد	قابلیت	ڈومیسائل	پے سکیل
۱	ٹرینڈ گریجوایٹ ٹیچرز (مرد وخواتین)	۱۸ - ۳۰	بی ایس II ڈویژن ریاضی اے وبی معہ بی ایڈ، بی ایس سی II ڈویژن فزکس وریاضی بی ایڈ، بی ایس سی II بیالوجی وکیمسٹری	پنجاب	بی پی ایس - ۵
۲	ٹرینڈ گریجویٹ ٹیچر (ہوم اکنامکس)	ایضاً	بی ایس سی II ڈویژن (ہوم اکنامک گروپ) معہ بی ایڈ (غیر تربیت یافتہ بھی فکسڈ تنخواہ پر زیر غور آسکتے ہیں)	میرٹ پنجاب صوبہ سرحد سندھ (یو) سندھ (آر) بلوچستان، فاٹا این اے کے	بی پی ایس ۶
۳	ٹرینڈ گریجویٹ ٹیچر (عربی) (مرد وخواتین)	ایضاً	بی اے معہ عربی بطور اختیاری مضمون II ڈویژن معہ بی ایڈ یا شہادت العلیہ فل علوم عربیہ والسلام معہ بی ایڈ یا مساوی، جنہوں نے میٹریکولیشن پاس کیا ہو ترجیح دی جائے گی	ایضاً	بی پی ایس ۱۵
۴	فزیکل ٹریننگ انسٹرکٹر (سینیئر و جونیئر) (مرد وخواتین)	ایضاً	۱. گریجویٹ معہ سینیئر ڈپلوما فزیکل ایجوکیشن یعنی برائے سینیئر پی ٹی سی) ۲. انٹرمیڈیٹ معہ جونیئر ڈپلوما فزیکل ایجوکیشن (برائے جونیئر پی ٹی آئی)	ایضاً	ایضاً
۵	ٹرینڈ انڈر گریجوایٹ ٹیچرز (مرد خواتین)	ایضاً	ایف اے ایف ایس سی معہ سی ٹی	ایضاً	بی پی ایس - ۹
۶	میٹرک ٹرینڈ ٹیچرز (مرد، خواتین)	ایضاً	میٹرک معہ پی ٹی سی - انٹرینڈ انٹرمیڈیٹ یا میٹرک "سی" گمرہڈ اسلام آباد کے دیہی علاقوں سے امیدواران فکسڈ تنخواہ پر زیر غور آسکتے ہیں -	ایضاً	بی پی ایس - ۷

۔ ڈرائنگ ماسٹرز	ایضاً	میٹرک معہ ڈرائنگ اور ڈرائنگ میں ایک/دو سالہ ٹیچر ٹریننگ سرٹیفکیٹ یا مساوی قابلیت	میرٹ، پنجاب، صوبہ سرحد، سندھ (یو) سندھ (آر) بلوچستان فاٹا/این اے اے کے	بی پی ایس ۹
۔ لائبریری اسسٹنٹس	ایضاً	میٹرک معہ سرٹیفکیٹ لائبریری سائنس میں کسی تسلیم شدہ ادارہ سے اور وزارت تعلیم کا اعلان کردہ	ایضاً	ایضاً
۔ لائبریرینز	ایضاً	گریجوایٹ معہ لائبریری سائنس میں ڈپلوما از یونیورسٹی یا بیچلر آف لائبریری سائنس یا گریجوایٹ معہ تسلیم شدہ اداروں سے لائبریری سائنس میں سرٹیفکیٹ اور وزارت تعلیم کے اعلان کردہ ۲ سالہ تجربہ	ایضاً	بی پی ایس ۱۵
۔ لیبارٹری اسسٹنٹس	ایضاً	میٹرک سائنس کے ساتھ ایگرو ٹیکنیکل مضمون ٹیک ٹریڈ متعلقہ شعبہ میں سرکاری تسلیم شدہ اداروں سے	ایضاً	بی پی ایس ۱۷
۔ سٹینو ٹائپسٹ	۱۸-۲۵	میٹرک معہ مختصر نویسی رفتار ۸۰ ٹائپنگ ۴۰ الفاظ فی منٹ	سندھ (آر) و یو	بی پی ایس ۱۲
۱۔ ہیڈ کلرک	ایضاً	انٹرمیڈیٹ معہ کلریکل/اکاؤنٹ کلرک کا ۵ سالہ تجربہ	سندھ (آر)	بی پی ایس ۸
۱۔ سٹور کیپر	ایضاً	میٹرک معہ سٹور رکھنے کا ۱ سالہ تجربہ	میرٹ	بی پی ایس ۵
۱۱۔ اسسٹنٹ	ایضاً	گریجوایٹ	پنجاب	بی پی ایس ۱۱
۱۔ گیس مستری	ایضاً	لازماً مختلف اپریٹس اور ایکوپمنٹ گیس ورک اور ووڈ ورک کے نام اردو اور انگریزی میں لکھنا اور پڑھنا جانتا ہو۔	ایضاً	بی پی ایس ۴

۱۶-	مالی	ایضاً	مالی کے طور پر کافی عملی تجربہ	ایضاً	بی پی ایس -۱
۱۷-	پی ٹی آئی	۱۸-۳۰	ایف اے معہ فزیکل ایجوکیشن میں جونیئر ڈپلوما۔	میرٹ	بی پی ایس -۹

نوٹ۔ درخواستیں ہمراہ عکسی نقول تمام دستاویزات اور ڈومیسائل سرٹیفکیٹس کو زیر دستخطی کو بذریعہ ڈاک ۲۶ اکتوبر ۸۶ تک پہنچ جائیں۔

۲- پہلے سے ملازم امیدواران اپنی درخواست اپنے اپنے متعلقہ محکموں / دفاتر کی وساطت سے ارسال کریں۔

۳- ٹیسٹ / انٹرویو کی تاریخ کی اطلاع بعد میں کی جائے گی۔

۴- سابق فوجی حضرات اور دیگر مستحق صورتوں میں عمر قابل رعایت ۵۰..... صرف وہ امیدواران درخواست دیں جو اسلام آباد کے دیہی علاقہ کے سکولوں میں کام کرنے کو بھی رضامند ہوں۔

اشتیاق احمد خان

اسسٹنٹ ڈائریکٹر (ایڈمن)

فیڈرل ڈائریکٹوریٹ آف ایجوکیشن، حبیب منزل بلاک نمبر III سوک سنٹر اسلام آباد

PID (I) 1558/29

REGD-NO.P-90

اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) بیشک آپکو اس شان کا رسول بنا کر بھیجا ہے
کہ آپ گواہ ہوں گے اور آپ (مومنین کے) بشارت دینے والے ہیں اور (کفار کے)
ڈرانے والے ہیں اور (سب کو) اللہ کی طرف اس کے حکم سے بلانے والے ہیں۔ اور
آپ ایک روشن چراغ ہیں۔

O Prophet ! truly We have sent thee
as a Witness, a Bearer of glad
tidings, and a Warner, and as
one who invites to Allah's (Grace)
by his leave. And A Lamp Spreading Light

Karachi Port Trust

The Port of Pakistan